U1
J562

cat 43

cat

43

U1

367

U1 48

15

اردو شاعروں کا انتخابی سلسلہ

جگر بریلوی

66

ناشر
انجمن ترقی اردو ہند - علی گڑھ

تعارف

جدید اردو شاعری میں اردو کی قدیم روایات کے احساس کے ساتھ فکر و فن کے نئے رنگ و آہنگ کی بھی جلوہ گری ہے۔ اس شاعری میں موجودہ دور کے سوز و گداز اور اس کی بصیرت و مسرت دونوں کا سامان ملتا ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند نے ان انتخابات کی اشاعت کا سلسلہ اس وجہ سے شروع کیا ہے کہ وہ لوگ جو کسی مجبوری کی بنا پر کسی شاعر کا سارا کلام نہیں پڑھ سکتے اس شاعر کے رنگ سے متعارف ہو جائیں اور انھیں اس کے تفصیلی مطالعہ کی خواہش پیدا ہو۔

کوشش کی گئی ہے کہ اس سلسلے میں موجودہ دور کے سارے اہم اور قابلِ ذکر شعرا آجائیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ مقبول ہوگا۔

آل احمد سرور

دورِ اوّل

غزلیات

۱۹۲۳ء

کیوں مٹ نہ گئے تیرے لئے ہم
افسوس جئے تو کیا جئے ہم

پہلو میں اک انجمن لئے ہیں
بیٹھے ہیں خیالِ دل کئے ہم

تم نے پوچھا تو جی بھر آیا
کچھ کہہ نہ سکے تو رو دئیے ہم

آنسو سینے میں کیا رکے ہیں
گویا بیٹھے ہیں مے پئے ہم

مر مر کے کٹی ہے زندگانی
یوں تو کہنے کو ہاں جئے ہم

ساقی سے جگرؔ یہ جا کے کہہ دو
در سے نہ اُٹھیں گے بے پئے ہم

۱۹۲۴ء

جلوہ دل کھول کے دیکھا ہے خود آرائی کا
کیا کلیجا ہے ترے حُسن کے شیدائی کا

دعوئ صبر یہ ظالم نے کئے اور ستم
حضرتِ دل یہ نتیجہ ہے شکیبائی کا

بات کرتا ہے اگر کوئی تو رو دیتا ہے
کچھ عجب حال ہوا ہے ترے سودائی کا

ہو گئی صرفِ جنوں طاقتِ رفتار بھی حیف
حق ادا ہو نہ سکا بادیہ پیمائی کا

ہائے کیوں تو نے نظر بھر کے اُسے دیکھ لیا
لگ گیا روگ نیا دل کو خود آرائی کا

آستانہ ہو کوئی دوست کا یا دشمن کا
شوق ہے ہم کو جگرؔ ناصیہ فرسائی کا

اسرارِ محبت سے آگاہ مرا دل تھا
جو درد تھا رہبر تھا، جو زخم تھا منزل تھا

تھا عہدِ جوانی ہی ہنگامِ فنا کوشی
جب گرم تپِ غم سے آتشکدۂ دل تھا

تم نے ہی نہ سمجھا کچھ رونے کی حقیقت کو
ورنہ مری آنکھوں سے جو قطرہ گرا، دل تھا

دم توڑ دیا تھک کر کیا نیند اُسے آئی پھر
آزردۂ منزل بھی، آسودۂ منزل تھا

خاموش ہوئیں شمعیں، بیتاب تھے پروانے
کچھ ذکرِ جگر تیرا نکلا سرِ محفل تھا

مرض نہ کہیے، نہ کچھ حاجتِ دوا کہیے
یہ زندگی ہے دو روزہ کسی سے کیا کہیے

یہاں تو ایک نیا دردِ روز بڑھتا ہے
کہاں تک اُن سے تڑپنے کا ماجرا کہیے

ستم ہیں اُس کے کرم ہیں، کرم ہیں اُس کے ستم
زبان بند ہے، کہیے اگر تو کیا کہیے

نکل ہی آتے ہیں آنسو حضور کے آگے
اب اس میں مجھ کو بُرا کہیے یا بھلا کہیے

یہاں یہ شرم کہ عرضِ سوال کیا کیجے
وہاں یہ ضد کہ جگر اپنا مدّعا کہیے

نیند کے بدلے تسلّی ہی سہی، آتی تو ہے
دل سے باتیں کرتے کرتے رات کٹ جاتی تو ہے

کیا اسی کا نام ہے سوزِ محبت ہم نشیں
ایک بجلی سی مری رگ رگ میں لہراتی تو ہے

اس سے بڑھ کر اور کیا تاثیرِ غم کی چاہیے
دل کی آہوں سے جگر کی چوٹ چھل جاتی تو ہے

کیا یہی ہے اے محبت ہستیٔ دل کا مآل
اک لہو کی بوندِ مژگاں پر نظر آتی تو ہے

سوزِ غم سے جب بہت جلتا ہے دل اپنا جگر
روح کی منزل میں کچھ کچھ روشنی آتی تو ہے

سنہ ۱۹۲۵ء

شُکر کیا ہو غمِ نہانی کا | جم گیا رنگ زندگانی کا
ولولہ عالمِ جوانی کا | معجزہ ہے حیاتِ فانی کا
وہ سمایا ہوا ہے رگ رگ میں | فیض ہے یہ غمِ نہانی کا
زندگی کیا ہے، اک فسانۂ غم | موت اک خواب زندگانی کا
قطرۂ اشک اک خلاصہ ہے | میری دنیائے کامرانی کا

جیتے ہی عمر ہو گئی، لیکن
نہ کھُلا راز زندگانی کا

دل سے نکلی جو درد کی آواز | کھُل گیا مجھ پہ زندگی کا راز
خُوگرِ لطف کر دیا تم نے | کون اُٹھائے ستم گری کے ناز
رکھ دیا سر کسی کے قدموں پر | کاش نکلے یہی طریقِ نیاز
اُف چمن میں نہ چھوڑا اے صیّاد | توڑتا ہے اگر پرِ پرواز
آنکھ کھولی قفس کے سایہ میں | ہم کہاں اور کہاں سرِ پرواز
ہنستے ہنستے رُلا دیا تم نے | چھیڑ کر میرا ماجرائے نیاز
دم قفس میں نکل گیا آخر | ہائے میں اور حسرتِ پرواز

بندگی کرنے پر جب آئے تو کیا
کہیں رکھ دی جگؔر جبینِ نیاز

[illegible]

یہ معجزہ ہے یا یہ حجاب

خدا کا [illegible] خیال

[illegible]

جگر جا پہنچا منزل پہ

نہ جگ سے سر کے قدم

[illegible] رہتا

۱۹۲۶ء

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شرم آج جھکنے لگی بیکسی کی

مزارِ بیکس پہ جو ... ہوائے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ برقِ جلوہ کہاں اور کہاں یہ خرمنِ ہوش
سمجھ کے حالتِ دل ہو گیا کوئی رُوپوش
ہر ایک قطرہ ہے بیتاب صورتِ سیماب
وہ جذبِ حُسن سے بحرِ وجود میں ہے جوش
یہی ہے رمزِ محبّت یہی ہے رازِ فنا
برنگِ برقِ تپاں رہ برنگِ بادِ خموش
ابھی تو شورِ قیامت لگی تھی آنکھ مری
جگا کے چھیڑ دیا پھر وہی فسانۂ دوش
کسی کا ذکر زباں تک ابھی نہ آیا تھا
بھڑک کے شمع صفت ہو گیا کوئی خاموش
جگؔر کو دیکھ کے اہلِ نظر یہ کہتے ہیں
جہان ساتھ لئے پھر رہا ہے خانہ بدوش

عمر بھر تو دردِ غم سہتے ہیں ہم
موت آتی ہے تو مر رہتے ہیں ہم
ناخدا کوئی ، نہ کوئی غمگسار
اک سمندر میں پڑے بہتے ہیں ہم
پوچھتا ہے کون دردِ زندگی
کون سنتا ہے اگر کہتے ہیں ہم
سوچ لیتے ہیں مآلِ زندگی
شدّتِ غم میں بھی چُپ رہتے ہیں ہم
سرگزشتِ مرگ اسے ہمدم نہ جان
داستانِ زندگی کہتے ہیں ہم
راز اپنا بھی نہیں کُھلتا جگؔر
کچھ نہیں معلوم کیا کہتے ہیں ہم

آج کیا جانے کیا ہے ہونے کو
جی بہت چاہتا ہے رونے کو
کٹ گئی ساری رات آنکھوں میں
ہم سے کیا پوچھتے ہو سونے کو
ہو چکی باز پُرس بھی آخر
ہو گیا جو رہا تھا ہونے کو

وہ بشر بھی عجب بشر ہے جگر
فرض سمجھے جو رونے دھونے کو

لگ گیا جب خزاں سے دل اپنا　　فصلِ گل آئی بھی تو کیا آئی
کھل گئی دل سے راہ و رسم کلام　　ہم کو جنّت ہے کُنجِ تنہائی
تھی کرامت ہوائے صحرا کی
ورنہ ہوتا جگر نہ سودائی

۱۹۲۷ء

گر گئی آنکھوں پہ بجلی روئے جاناں دیکھ کر　　جل گیا سینے میں دل حُسنِ فروزاں دیکھ کر
تلخیِ رنجِ اسیری آج غالب آگئی　　ڈبڈبا آئے ہیں آنسو ابرِ باراں دیکھ کر
کچھ ہوا بھر دی گئی ہے خاک کی تعمیر میں　　موت ہنستی ہے مری ہستی کا ساماں دیکھ کر
اللہ اللہ زندگی کی تلخیوں کا یہ اثر　　رو دیا ہوں آج کچھ راحت کا ساماں دیکھ کر
ہو گیا آخر جگر مصروفِ تعمیرِ خودی
دل کے ہر ذرہ میں اک جنّت کا ساماں دیکھ کر

پھر عندلیبِ زار نے تنکے اٹھا لئے　　شاید چمن اجڑنے کی اس کو خبر نہیں
کیوں جل نہ جائے تابِ رخِ یار دیکھ کر　　دل ہے یہ کوئی چشمِ حقیقت نگر نہیں
کیسی دعا، کہاں کا اثر، کس کا مدعا؟
کچھ آگ کے سوا مرے دل میں جگر نہیں

تم نہیں پاس، کوئی پاس نہیں — اب مجھے زندگی کی آس نہیں
کشمکش میں نہ رُوح پڑ جائے — یوں تو مرنے کا کچھ ہراس نہیں
لالہ و گُل بُجھا سکیں جس کو — عشق کی پیاس ایسی پیاس نہیں
عمر سی عمر ہو گئی برباد — دلِ ناداں عبث اُداس نہیں
سانس لینے میں درد ہوتا ہے — اب ہوا زندگی کی راس نہیں
راہ میں اپنی خاک ہونے دے — اور کچھ میری التماس نہیں
کیا بتاؤں مآلِ شوق جگؔر
آہ، قائم مرے حواس نہیں

جان اُن پر نثار کرتا ہوں — مژدہ اے زندگی کہ مرتا ہوں
شوق نے کر دیا ہے دیوانہ — ذرّہ ذرّہ کو سجدہ کرتا ہوں
دل میں دیتا ہوں دعوتیں غم کو — اپنا پیمانہ آپ بھرتا ہوں
تیری رحمت سے نا امید نہیں — اپنی محرومیوں سے ڈرتا ہوں
آج قابو نہیں رہا دل پر — ہوک اٹھتی ہے، نالہ کرتا ہوں
لا رہا ہوں انھیں تصوّر میں — اپنے خاکے میں رنگ بھرتا ہوں
کیا کہوں زندگی کا حال جگر
جبر سہتا ہوں، ضبط کرتا ہوں

۱۹۲۸ء

جان اپنے لئے کھو لینے دے　　مجھ کو جی کھول کے رو لینے دے
مٹ گئے اب تو سب ارماں اے دل　　اب تو تو چین سے سو لینے دے
ناخدائی نہیں کرنا ہے اگر　　مجھ کو کشتی ہی ڈبو لینے دے
فکرِ ویرانئ دل کیا ہے ابھی
پہلے آباد تو ہو لینے دے

لیجئے تابانئ عالم کے ساماں ہو گئے
دل کے ذرّے اڑ کے ہر جانب پریشاں ہو گئے
دردِ تنہائی سے مر جانا تو کچھ مشکل نہ تھا
کیا کہیں غم سے مگر کچھ عہد و پیماں ہو گئے
تجھ سے کیا لیں انتقام اے خاکِ بے برگ و نوا
وہ کہاں ہیں مہر و مہ تجھ میں جو پنہاں ہو گئے
اب میں سمجھا سینۂ سوزاں کے شق ہونے کا راز
آپ پنہاں کیا ہوئے، گویا نمایاں ہو گئے
حُسن نے روزِ ازل جب رُخ سے سرکائی نقاب
چند جلوے رنگ بن کر بزمِ امکاں ہو گئے
رفتہ رفتہ آرزوئے رستگاری مٹ گئی
رہ کے زنداں میں جگرؔ آزادِ زنداں ہو گئے

ہر چند مجھے راحت و آرام نہیں ہے
خوش ہوں کہ پریشاں دلِ ناکام نہیں ہے
افراطِ الم میں بھی ہے اک کیف کا عالم
کیا غم ہے اگر بادۂ گلفام نہیں ہے
میں ہوں، دلِ ناکام ہے، تکمیلِ فنا ہے
اب اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے
دفنا کے دلِ زار کو ہم اس کی گلی میں
بیٹھے ہیں کچھ ایسے کہ کوئی کام نہیں ہے
جی میں ہے کہ ہم دہر کو اک خلد بنا دیں
قابو میں مگر گردشِ ایام نہیں ہے
مشکل ہے جگرؔ رہروئی راہِ محبّت
یہ میری روش ہے، روشِ عام نہیں ہے

کیسا شکوہ، کس کی شکایت، ظلم یہ دل نے ڈھائے ہیں
خود ہی دنیا بھر کے ہم نے جی کو روگ لگائے ہیں
خاک ہی ہو کر اب اُٹھنا ہے، یوں اُٹھنا آسان نہیں
جب ہم نے سب دیکھ لئے گھر، تیرے در پر آئے ہیں
جس جس بات کو سوچا آخر، تیری حکایت نکلی ہے
رہ رہ کر اس بزم میں ہم نے کیا کیا اشک بہائے ہیں
تیرے ستم نے توڑ دیا دل، لیکن اس کو کیا کہئے
تیرا ہی دامن پکڑا ہے، جب آنکھ میں آنسو آئے ہیں
درد ہی درد ہے، باقی اب تو ہم ہیں نہ کوئی اور کہیں
کیونکر پوچھیں، کون بتائے، کس منزل میں آئے ہیں

۱۹۲۹ء

دل سے طاعت تری نہیں ہوتی
ہم سے اب بندگی نہیں ہوتی
ایسی کچھ بیدلی سی غالب ہے
کہ تری یاد بھی نہیں ہوتی
دل نہ جب تک ہو ایک شعلۂ عشق
زندگی زندگی نہیں ہوتی
حیف وہ جس سے شدتِ غم میں
خواہشِ مرگ بھی نہیں ہوتی
راس آتی نہیں کوئی تدبیر
یاسِ جاوید بھی نہیں ہوتی
ضبطِ غم بھی محال ہے ہم سے
اور فریاد بھی نہیں ہوتی
دل پرستی، خدا پرستی ہے
خود پرستی خودی نہیں ہوتی
الحذر تشنگیٔ عشق جگر
ہائے تسکین ہی نہیں ہوتی

۱۹۲۹ء

رُکے ہیں اشکِ خوں کس طرح بولیں
یہ انگارے تو پہلے سرد ہولیں
نہ وہ ہم سے، نہ ہم اب اُن سے بولیں
یہی بس دل میں ہے جی بھر کے رولیں
یہ کون اُن نیم خواب آنکھوں سے پوچھے
اجازت ہے کہ دم بھر ہم بھی سولیں
کسی کو دیکھ لیتے ہیں جو روتے
یہی دل چاہتا ہے ہم بھی رولیں
یہ ساری آفتیں ڈھائی ہیں دل نے
جگر ہم کیا لبِ فریاد کھولیں

ہم نے مانا کہ عمر فانی ہے
موت تمہیدِ زندگانی ہے

سوزِ عشق، اصلِ زندگانی ہے
داغِ دل مُہرِ کامرانی ہے

جانِ دریا ہے کیا؟ روانی ہے
موج در موج زندگانی ہے

کیوں ہے افسردہ اس قدر اے دل
ہم بھی فانی ہیں، غم بھی فانی ہے

پرتوِ حسنِ دوست ہیں ہم بھی
اپنی ہستی بھی جاودانی ہے

پہلے جو دردِ دل کا تھا آزار
اب وہی جانِ زندگانی ہے

شعر ہے ایک جذبۂ موزوں
شاعری دل کی ترجمانی ہے

جس سے پروانہ شعلہ بنتا ہے
وہ جگرؔ آتشِ نہانی ہے

گریۂ خاموش اپنا کام ہے
اب اسی میں روح کو آرام ہے

مضطرب کیوں اے دلِ ناکام ہے
چند روزہ گردشِ ایّام ہے

روتے روتے دیدۂ دل کُھل گئے
ہر تصوّر مایۂ آرام ہے

کُھل گئے جوہر مری تدبیر کے
غم نہیں ہے دل اگر ناکام ہے

شعر پر کیا منحصر ہے اے جگرؔ
اہلِ دل کا لفظ لفظ الہام ہے

کسی کو دیکھتے کیوں آہ روتے
جو بس چلتا تو ہم پیدا نہ ہوتے

سحر ہونے کو آئی روتے روتے
کہیں وہ آستاں ملتا تو سوتے

جُھکی جاتی ہیں آنکھیں بارِ غم سے
کسی آغوش میں سر رکھ کے سوتے

نظر دیکھا کیے اُن کی ہمیشہ یہی حسرت رہی ہم جان کھوتے
جگرؔ ہم ہیں تو خالق بھی ہی کوئی
نہ ہوتا کچھ اگر ہم ہی نہ ہوتے

غیر کے لئے مرنا، کیا ہے رازِ ہستی ہے خدمتِ بشر کرنا عین حق پرستی ہے
اصل حق پرستی کی کیا ہے، خود پرستی ہے خاکِ راہِ دل ہونا مدّعائے ہستی ہے
رنج و راحتِ دنیا مدّ و جزرِ ہستی ہے اک طرف بلندی ہے، ایک سمت پستی ہے
کیف ریز وحدت ہے جوشِ حُسنِ نیرنگی آشنائے کثرت ہو جس کو ذوقِ مستی ہے
میں حباب ہوں تو کیا، بے ثبات ہوں تو کیا میری خودنمائی سے جوششِ بحرِ ہستی ہے
شادکام کیا جانیں، عظمتِ حمیّت کو سازو برگِ خودداری فیضِ تنگدستی ہے
خودشناس ہو اے دل پیروئے ملّت کیا دین جس کو کہتے ہیں شخصیت پرستی ہے
تھا جگرؔ کبھی قائل راہ و رسمِ طاعت کا
جب سے رازِ دل سمجھا، محوِ خود پرستی ہے

۱۹۳۰ء

کیا آ گئے قریب جگرؔ، دن بہار کے اُبھرے ہوئے ہیں داغ دلِ بے قرار کے
دل نے ازل میں کہہ کے یہ ویرانہ لے لیا کس سے اُٹھیں گے ناز چمن میں بہار کے
بیگانۂ طرب نہ سمجھ ہم نشیں، ہمیں دل کے یہ داغ نقشِ قدم ہیں بہار کے
بجلی نے جس شجر کو سراپا جلا دیا بیکار اس پہ لطف ہیں ابرِ بہار کے
قسمت سے داغِ سینہ بنے اس کو کیا کریں
خونِ جگر میں رنگ بہت تھے بہار کے

موت جب تک نظر نہیں آتی — زندگی راہ پر نہیں آتی
ترکِ تدبیر بھی نہیں آساں — راس تدبیر اگر نہیں آتی
دل کو لذّت شناسِ غم کر لیں — موت ہم کو اگر نہیں آتی
ہے امینِ وقارِ عجز و نیاز — وہ تمنّا جو بر نہیں آتی
جس نے تیری نظر کو دیکھ لیا — اس کو دنیا نظر نہیں آتی

اشکِ پیہم جگرؔ نہیں تھمتے
راہ پر چشمِ تر نہیں آتی

۱۹۳۱ء

دل جلوۂ جمال ہے پنہاں لئے ہوئے — ذرّہ ہے آفتابِ درخشاں لئے ہوئے
تم اور اک جہانِ گلستاں لئے ہوئے — میں اور ایک عالمِ ویراں لئے ہوئے
دل میں خیالِ جلوۂ جاناں لئے ہوئے — بیٹھا ہوں صد ہزار گلستاں لئے ہوئے
شب آ گئی سرور کا ساماں لئے ہوئے — ہاتھوں میں ساغرِ مہِ تاباں لئے ہوئے
ٹپکا جو چشمِ تر سے لہو، آ گئی بہار — دامن میں لالہ و گل و ریحاں لئے ہوئے
نکلا ہوں بہرِ انجمن افروزیٔ جہاں — داغوں سے دل میں بزمِ چراغاں لئے ہوئے
یہ کون آ رہا ہے تری بزمِ ناز سے — آغوش میں عروسِ بہاراں لئے ہوئے
بالیدگیٔ روح ہے یا جلوۂ نگار — پھرتا ہے کوئی ساتھ گلستاں لئے ہوئے
پھرتا ہوں اک نگاہِ کرم کی تلاش میں — روزِ ازل سے نذرِ دل و جاں لئے ہوئے

ہوں محوِ نغمہ ہائے حیات آفریں جگرؔ
نظروں میں جلوۂ رخِ تاباں لئے ہوئے

خلشِ دردِ زندگی نہ گئی — نہ گئی آہ جیتے جی نہ گئی
چارہ کاوشِ دروں نہ ہوا — اور دل سے اُمید بھی نہ گئی
طوق و زنجیر کا ہوا ارشاد — میری فریاد جب سُنی نہ گئی
کردیا دل کو غرقِ بادۂ ناب — جب مصیبت بہت سہی نہ گئی
دل سے ناکامیوں پہ تھے مجبور — ہم سے تدبیر ترک کی نہ گئی
بخش ڈالا تجھے مقامِ بہار
خوئے شکوہ جگر تری نہ گئی

ضبط سے غم فزوں نہ ہو جائے — ہوتے ہوتے جنوں نہ ہو جائے
چشمِ تر داغ ہے نمائشِ عشق — آستیں لالہ گوں نہ ہو جائے
چارہ جوئی سے دل لرزتا ہے — اور حالت زبوں نہ ہو جائے
گفتگوئے دشمن تحمّل ہے — سردستہ نیز دروں نہ ہو جائے
تابِ غمِ جگر اسے دیکھئے
مصیبت جوشِ خوں نہ ہو جائے

سنہ ۱۹۲۱ء

غم نے بے ہوش کر دیا مجھ کو — خود فراموش کر دیا مجھ کو
وہ دلِ دردمند کی آواز — ہمہ تن گوش کر دیا مجھ کو
گُلِ رنگیں کہ ساغرِ مے ہے — مست و مدہوش کر دیا مجھ کو
خانہ آباد اے سحابِ بہاراں — سربسر جوش کر دیا مجھ کو

نغمۂ زندگی معاذ اللہ   پنبہ در گوشں کر دیا مجھ کو
الاماں الاماں تلاشِ سکوں   خانہ بر دوشں کر دیا مجھ کو
اب کہاں وہ نشاط و شوقِ جگر
دل نے غم کوشں کر دیا مجھ کو

برباد ہو رہا ہوں محبت کی راہ میں   عالم تمام ہیچ ہے میری نگاہ میں
اب رہ گئے ہیں یاد فقط دوزخ و بہشت   دیکھے بہت نشیب و فراز اس کی راہ میں
یا ہم تھے یا خدا تھا کوئی دوسرا نہ تھا   علم و خرد نے ڈال دیا اشتباہ میں
ہم پر فریبِ رونقِ باطل چلے گا کیا   عالم کو جانتے ہیں غبار اس کی راہ میں
دل رہبرِ نشاط، یقیں منزلِ نشاط
دوزخ کی آگ ہے تو جگر اشتباہ میں

۱۹۳۲ء

کیا فائدہ رونے دھونے سے، جب اس کا کچھ حاصل ہی نہیں
کیا درد سنائیں اپنا ہم، سینے میں تمہارے دل ہی نہیں
جنگل سے گائیں گھر کو چلیں، چڑیاں بھی بسیرا لینے لگیں
میں کیسا مسافر ہوں یا رب، اُف میری کہیں منزل ہی نہیں
ہے آدھی رات کا سناٹا اور ساری دنیا سوتی ہے
کیا کہئے اپنی آنکھوں کو، سونے پہ ذرا مائل ہی نہیں

آنکھوں کو رنگ نہیں بھاتے، کانوں کو راگ نہیں بھاتے
جیتے تھے جس کے سہارے ہم، سینے میں اب وہ دل ہی نہیں
ہم کس سے درد کہیں اپنا، ہم کس سے یہ دُکھڑا رُوئیں؟
کان اپنے بند کئے تو نے، کوئی اور اس کے قابل ہی نہیں
دریائے محبت ہے، میں ہوں، کیفیت و مستی ہے، دل ہے
کچھ فکر نہیں ہے ساحل کی، اس دریا کا ساحل ہی نہیں

۱۹۳۳ء

نہ غم کا غم، نہ خوشی کی کوئی خوشی مجھ کو
کہ ایک بات ہے اب موت و زندگی مجھ کو
سرور و کیف کا عالم ہے حدِ ہستی تک
لئے ہوئے ہے اب آغوش میں کوئی مجھ کو
تمہیں نے آہ رُلائے ہیں خون کے آنسو
کبھی جو آئی ہے دھوکے سے بھی ہنسی مجھ کو
بس اب یہ مجھ سے نہ پوچھو کہ کس طرح گزری
یہ مانتا ہوں کہ دی تم نے زندگی مجھ کو
خودی میں دل میں ہو تو بیخودی میں دل تجھ میں
جو یہ نہیں تو جہنم ہے زندگی مجھ کو
گناہ دیکھتا ہوں، آہ و نالہ سُنتا ہوں
دئیے گئے ہیں یہ کیوں چشم و گوش بھی مجھ کو
کسی نے بحرِ فنا میں ڈبو دیا آخر
ملا ہے مِٹ کے جگر لطفِ زندگی مجھ کو

دل کی ہستی کا اگر حُسن نمایاں ہو جائے
اپنے ہی جلوؤں کا دیوانہ خود انساں ہو جائے
شدّتِ غم پہ اگر ضبط کا امکاں ہو جائے
دل میں جو داغ ہے، خالِ رُخِ ایماں ہو جائے
کاش ہم سے کسی رنجور کا درماں ہو جائے
عمر بھر کے لئے تسکینِ دل و جاں ہو جائے

زندگی تلخ و تمنائے اجل ننگِ حیات
خون سینے میں نہ کیونکر دلِ انساں ہو جائے

اسی معصوم پہ کھلتے ہیں کچھ اسرارِ نشاط
جو ترے سامنے اک پیکرِ عصیاں ہو جائے

زندگی کی کوئی مدت، نہ اجل کی میعاد
ایک ہی بار جو مرنا ہو تو آساں ہو جائے

ہے گنہگار بہ پابندیٔ آئینِ سرشت
پھر جگرؔ کس لئے شرمندۂ عصیاں ہو جائے

دل میں کوئی مدعا نہیں ہے
تو ہے کوئی دوسرا نہیں ہے

اشکِ غمِ عشق رائگاں ہوں
ایسا تو کبھی ہوا نہیں ہے

ہم کیا ہیں، یہ کائنات کیا ہے
جب کوئی تیرے سوا نہیں ہے

جب تم سے ہوئی تھیں چار آنکھیں
وہ دن مجھے بھولتا نہیں ہے

خار جب دل کے پار ہوتا ہے
ہوش بھی ناگوار ہوتا ہے

اُف کسی دردمند کی آواز
تیر سا دل کے پار ہوتا ہے

ستم و جور پہ یقین کرم
اور بھی استوار ہوتا ہے

عظمتِ زیست بڑھتا ہے جگرؔ
موت کا خواستگار ہوتا ہے

نازشِ گُل ہوا کرے کوئی
دل سے کانٹا جدا کرے کوئی

بہتے ہیں بات بات پر آنسو ایسی آنکھوں کو کیا کرے کوئی
موت کو بھی نہیں قیام و دوام نہ جئے بھی تو کیا کرے کوئی
کون ہے وہ جو درد مند نہیں کس کی کس کی دوا کرے کوئی
جب کلیجے میں تیر ہو پیوست نہ کراہے تو کیا کرے کوئی
موت ہے امتحانِ شوق جگر
ورنہ کیوں کر وفا کرے کوئی

کیا دل کا حال کہیں تم سے، جب دل ہی تم نے توڑ دیا
بیزار ہیں جیتے رہنے سے، ہم نے بھی اب جی چھوڑ دیا
تقدیر سے اپنا بس نہ چلا، کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا
جس راہ پہ چاہا لا ڈالا، جس سمت کو چاہا موڑ دیا
اُمید سے غم میں بھی گرمی تھی، اب دل کی بستی سُونی ہے
آہیں وہ راہیں بھول گئیں، اشکوں نے اُمڈنا چھوڑ دیا
اُمید جسے ہم سمجھے تھے، وہ بھیک کا اک کاسہ نکلی
پھر جب دیکھو تب خالی ہے، سو اس کو ہم نے پھوڑ دیا
دل ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا، یہ کوئی رشتۂ زیست نہیں
جس کو جب چاہا جوڑ دیا، تم نے جب چاہا توڑ دیا

اپنے ہی سجدے کا ہے شوق، میرے سرِ نیاز میں
کعبۂ دل ہے سامنے، محو ہوں میں نماز میں

پینا ہے گر تو خاک ڈال، دیدۂ امتیاز میں
جام و خم و سبو نہ دیکھ، میکدۂ مجاز میں

کس کا فروغِ عکس ہے، کون ہے محوِ ناز میں
کوندر رہی ہیں بجلیاں آئینۂ مجاز میں

صبحِ ازل ہے صبحِ حسن، شامِ ابد ہے داغِ عشق
دل ہے مقامِ ارتباط، سلسلۂ دراز میں

عقل و شعور بھی ہیں کیا، عقدۂ رازِ دہر میں
رہ گئے اور اُلجھ کے ہم سعیٔ کشودِ راز میں

یاد کسی کی آگئی، کٹ گئی زندگی کی رات
ورنہ کہاں نمودِ صبح، ایسی شبِ دراز میں

دفن ہے دل جگہ جگہ، کعبہ ہے گام گام پر
سجدہ کہاں کہاں کرے، کوئی حریمِ ناز میں

حسن کے آستانہ پر ناصیہ رکھ کے بھول جا
فکرِ قبول و رد نہ کر پیشکشِ نیاز میں

خون کے آنسوؤں سے ہے زینتِ حسنِ دل جگر
چاہیئے داغِ عشق بھی سینۂ پاکباز میں

دل ہے سینے میں تو غم سے عہد و پیماں کیجئے
موت کے ارمان سے جینے کا ساماں کیجئے

کفر کو قربان یا ایماں کو قرباں کیجئے
ہو سکے تو دل میں پیدا دردِ انساں کیجئے

کیف بن کر عرصۂ کونین پر چھا جائیے
دل کو یوں محوِ خیالِ روئے جاناں کیجئے

بخشئے چشمِ خماریں سے کبھی کیف و سرور
راہ و رسمِ زندگی مشکل ہے آساں کیجئے

اک جہاں ہو جائے گا پھر غمگسار و چارہ ساز
نشترِ غم پہلے پیوستِ رگِ جاں کیجئے

عاشقی جدّت طلب، دار و رسن رسمِ قدیم
کیا کہیں کیوں کر سر و گردن پہ احساں کیجئے

حق محبت کا ادا کرنا جگر آساں نہیں
دیجئے دل میں شگاف اور لب کو خنداں کیجئے

۱۹۳۴ء

کیوں کر کہوں زباں سے تو مہرباں نہیں
لیکن مرا نصیب کہ میں شادماں نہیں

اُس کے ستم سے ہم کو غمِ دو جہاں نہیں
نا مہرباں سہی وہ اگر مہرباں نہیں

کوئی تو نازشِ صفِ ماتم بھی چاہیئے
میرا وجود، تیرا ستم رائیگاں نہیں

وہم و خرد پہ ختم نہیں علمِ کائنات
کچھ راز وہ بھی ہیں جو کسی پہ عیاں نہیں

صیّاد کی نگاہ میں چنگاریاں ہیں کیوں
آئی نہیں بہار ابھی میں جواں نہیں

صدقے ہیں اپنی بے سر و سامانیوں کے ہم
شاخوں پہ بارِ خار و خسِ آشیاں نہیں

تارے نہیں ہیں خاک کے ذرّے چمکتے ہیں
تیرا غبارِ راہ ہے، یہ آسماں نہیں

کیفیت و سرور ہے اور جلوۂ جمال
اب میں نہیں، زمیں نہیں، آسماں نہیں

اُف رے کسی کی برقِ تبسم کی گرمیاں
بجلی کی لہر ہے، مری عمرِ رواں نہیں

میں اور نالہ ہائے جگر سوز کس سکوں
قابو میں آہ گردشِ ہفت آسماں نہیں

رگ میں جس کے نشترِ غم کا شگاف ہو — وہ کیا بتلائے درد کہاں ہے، کہاں نہیں

معروف کارِ عشق خموشی سے ہیں جگر
ہم آشنائے شیوۂ آہ و فغاں نہیں

بڑھ گئی راحت سے راحت کی تمنا اور بھی
جلوۂ مہتاب میں دل آہ تڑپا اور بھی

دردِ غمخواری سے ہو جاتا ہے دونا اور بھی
آپ کی پرسش سے دُکھتا ہے کلیجا اور بھی

دل کا خوں اس طرح کچھ اُن کے اشاروں پر ہوا
بڑھ گئی افسوس جینے کی تمنا اور بھی

یا تو ہے دامانِ ساحل، یا ہے بحرِ قعرِ مہیب
تیرے صدقے موجِ دریا، ایک پلٹا اور بھی

جب تڑپ کر میری نظریں محوِ نظارہ ہوئیں
جگمگا اُٹھا جمالِ روئے زیبا اور بھی

کیوں دلِ خوں گشتہ آج آتا ہے راحت کا خیال
جور باقی ہے ابھی کچھ آسماں کا اور بھی

جس نے ذوقِ معصیت سے آشنا مجھ کو کیا
ساتھ میرے داورِ محشر کوئی تھا اور بھی

ایک احساں اُن کے سر سمجھے ہوا جب دل کا خون
رنج پر ہم کو ہے راحت کا تقاضا اور بھی

پرسشِ آزردگانِ غم کی قدرت بھی نہیں
کچھ تو دل کے ساتھ مل جاتا خدایا اور بھی

دیکھ کر خارِ بیاباں کی فراوانی جگر
جوش پر آتا ہے پائے دشت پیما اور بھی

سنہ ۱۹۳۵ء

دماغ و دل پہ جسے کوئی اختیار نہ ہو — حضور اُس کا گنہگاروں میں شمار نہ ہو
شریکِ جورِ فلک گر جفائے یار نہ ہو — تباہیٔ دل و دیں ہم کو ناگوار نہ ہو
مذاقِ جامہ دری کیا، اگر بہار نہ ہو — جنوں عبث ہے جو ایمائے حُسنِ یار نہ ہو
وہ جبر ہے، جسے سب اختیار کہتے ہیں — گناہگار نہ ہوں ہم گر اختیار نہ ہو
چراغِ غمکدۂ زندگی سہی اُمید — وہ کیا کرے جسے اُمید سازگار نہ ہو
گدا سمجھ کے جہاں اس نے مجھ کو بخش دیا — مگر میں چُپ ہوں کہ انکار ناگوار نہ ہو
ہمیں کو آتشِ دوزخ میں ڈال دے یارب — ستمگروں پہ اگر تجھ کو اختیار نہ ہو

زمیں پہ ٹیک تو دوں میں جگر جبینِ نیاز
نشانِ سجدہ غمِ دل کو ناگوار نہ ہو

قطعہ

بہت بلند ہے رُتبہ ترا دلِ آگاہ — کشاکشِ غم و شادی سے بے قرار نہ ہو
خزاں گر آئے نہ ہو شکوہ سنجِ جورِ خزاں — بہار آئے تو منت کشِ بہار نہ ہو

نظر نہ آئے حقیقت تو کور و کر بن جا ‏ فریب خوردۂ نیرنگِ اعتبار نہ ہو
کوئی کہے تجھے اچھا تو فخر و ناز نہ کر ‏ بُرا کہے تجھے کوئی تو ناگوار نہ ہو
علوِ مرتبہ و منزلت کی حرص نہ کر ‏ گدائے مہر و مراعات بن کے خوار نہ ہو
فروغ ذات کو دے اپنی، مقتدا بن جا ‏ رہینِ ملّتِ تقلید زینہار نہ ہو
عزیزِ خاطرِ احباب بن گلوں کی مثال ‏ مگر ہے شرط کسی کے گلے کا ہار نہ ہو
بنانا ہے کوئی تعمیر اگر تو آپ بنا ‏ کسی کے لُطف و تعاون کا خواستگار نہ ہو
نیاز و عجز ہے اچھا مگر یہ یاد رہے ‏ خود اپنی ذات میں کوتاہیٔ وقار نہ ہو

رہے نگاہ میں ہر دم جو مرتبہ ہے ترا
جگر کا قول فراموش زینہار نہ ہو

ہم کو تاثیرِ غم سے مرنا ہے ‏ اب اسی رنگ میں نکھرنا ہے
زندگی کیا ہے صبر کرنا ہے ‏ خون کا گھونٹ پی کے مرنا ہے
جاں نثاری قبول ہو کہ نہ ہو ‏ ہم کو اپنی سی کر گزرنا ہے
اب کوئی زہر دے کہ بادۂ ناب ‏ ایک پیمانہ ہم کو بھرنا ہے
موجِ دریا ہیں ہم، ہمارا کیا ‏ کبھی مِٹنا، کبھی اُبھرنا ہے
ڈھونڈتا پھرتا ہوں نگاہِ خلوص ‏ دلِ مُردہ کو زندہ کرنا ہے

سمِ قاتل جگر نہیں ملتا
دل کا قصہ تمام کرنا ہے

۱۹۳۶ء

آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ کیا کہہ گئے
ہم تو صورت دیکھ کر چُپ رہ گئے

بندہ پرور کیا کریں دل ہی تو ہے
چند قطرے آنسوؤں کے بہہ گئے

دم وفا کا بھر سکے، کس کی مجال
جن کو دعویٰ تھا وہ مر کر رہ گئے

ایک آنسو ہو، مگر جانِ حیات
اس سے کیا حاصل جو دریا بہہ گئے

مِٹ گئے دنیا سے آثارِ نشاط
اشک جو ٹپکے وہ جم کر رہ گئے

یوں تو رونا ہم کو آتا ہی نہیں
اور جب روئے تو دریا بہہ گئے

لو قیامت کے مظالم توڑ لو
اور اگر ہم یہ بھی صدمے سہہ گئے

اُٹھ گئے دنیا سے معنی آشنا
اے جگرؔ صورت کے بندے رہ گئے

عشق کیا ہے، زندگی کا جوش ہے
غیب سے تقریبِ نوشا نوش ہے

رستخیزِ غم بقیدِ ہوش ہے
زندگی اک محشرِ خاموش ہے

آپ سے بھی ہو چلی بیگانگی
کون سا عالم ورائے ہوش ہے

کچھ نہ پوچھو اے جگرؔ دل بجھ گیا
آہ شمعِ زندگی خاموش ہے

غرق بادہ اب دلِ ناکام ہونا چاہیئے
موجِ غم، موجِ مئے گلفام ہونا چاہیئے

جس سے مِٹ جائے فریبِ حُسنِ تدبیر و عمل
ایسی بھی اک کوششِ ناکام ہونا چاہیئے

ہم صفیرو رازِ آزادی سمجھنا ہے محال — پہلے کچھ روزوں اسیرِ دام ہونا چاہیئے
درسِ ایماں سُن چکے، تلقینِ طاعت ہو چکی — غم غلط ہو جس سے اب وہ کام ہونا چاہیئے

صورت و معنی جگر دلکش ہوئے تو کیا ہوا
شعر میں کیفیتِ الہام ہونا چاہیئے

منقلب بزم نہیں، جام و سبو چور نہیں — ابھی نالوں میں اثر، اے دلِ رنجور نہیں
ہم خدا ہیں یہ حقیقت سے بہت دور نہیں — ہم کو تقلیدِ حقیقت کی بھی منظور نہیں
زندگی اپنی، نہ موت اپنی، دل اپنا، نہ دماغ — کون کہتا ہے کہ مختار ہوں، مجبور نہیں
جس کی ہر موج میں بیتاب ہے طوفانِ نشاط — بادۂ غم ہے وہ افسردۂ انگور نہیں
پرتوِ عشق ہیں دنیا کی تمنائیں بھی — کون دل ہے جو ترے درد سے معمور نہیں
آپ بھی دور رہیں آپ کے غم کے صدقے — کسی عنوان تسلّی مجھے منظور نہیں

جان کر ہیں وہ مری سحر بیانی پہ خموش
اب اسی میں ہوں جگر شاد کہ مشہور نہیں

۱۹۳۷ء

کسے معلوم گم ہیں علم و عرفاں چشمِ حیراں میں
یہ تابانی نگاہوں میں ہے یا حُسنِ فروزاں میں
حجاب اک رمزِ محبوبی ہے حُسنِ جلوہ ساماں میں
جھلک کر رہ گئیں رنگینیاں گلہائے خنداں میں

نویدِ موسمِ گُل ، یا نویدِ اضطراب آئی
نسیمِ صبح نے چنگاریاں رکھ دیں، دل و جاں میں
ازل میں وہ نگاہِ ناز کی جنبش معاذ اللہ
کہ جیسے رہ گیا ہو ٹوٹ کر نشتر رگِ جاں میں
نفس عنبر فشاں ، مسرور دل ، آنکھیں منور ہیں
وہ یاد آیا کہ ہوتی ہے سحر صحنِ گلستاں میں
یہ دل کا اضطراب اور حُسن کی یہ جلوہ سامانی
کہ جیسے جام بھر کر دے دیا ہو دستِ لرزاں میں
انہیں ہم شعر سمجھیں یا جگر نغماتِ لاہوتی
عجب کیفیتیں ہیں تیرے افکارِ پریشاں میں

کہیں بھی جائیں وہ جانِ جہاں نہیں ملتا
وہ مل بھی جائے تو اپنا نشاں نہیں ملتا
ہمارا حال نہ پوچھو خدا ہی حافظ ہے
قفس بھی چھُٹ گیا اور آشیاں نہیں ملتا
نیاز میں بھی اک انداز بے نیازی ہے
مری جبیں کو کوئی آستاں نہیں ملتا
افق کی طرح فریبِ نظر ہے راحت بھی
کہیں زمیں سے جگر آسماں نہیں ملتا

یہ ابر و باد کا موسم ، بہار گُل کا یہ جوش
کبھی تو ساغر اُٹھانے دے اے دلِ غم کوش
نکال لیتا ہے راحت میں رنج کے پہلو
تمہارے لُطف سے بھی خوش نہیں دلِ غم کوش

وہ وحشتیں ہوں کہ دانیاں غنیمت ہیں
جو بند ہو گئیں آنکھیں تو پھر جنوں ہے نہ ہوش

جگر تمام لہو اور دل تمام فگار
اُمیدوار ترا اے جنوں ہو کب تک ہوش

اب اس سے بڑھ کے ہے دونوں جہاں میں نعمت کیا
یہ زندگی، یہ شباب اور دلِ محبت کوش

تمام حشر ہوا لیکن اس سے کیا حاصل
تڑپ رہا ہے ابھی تک دلِ محبت کوش

گزر گیا حدِ ادراک سے جگر آگے
یہ وہ مقام ہے جس جا نہ بیخودی ہے نہ ہوش

۱۹۳۸ء

یہ بھی ہے تکملۂ جلوۂ پنہاں ہونا
چاک دل، چاک جگر، چاک گریباں ہونا

ختم اسی پر ہے بس انسان کا ہنگامۂ زیست
کبھی خنداں، کبھی گریاں، کبھی حیراں ہونا

کیا کرے وہ نہ اگر آگ لگا لے دل کو
جس کو راس آئے نہ آسودۂ ارماں ہونا

شکوۂ جور سے ہم باز بھی آنے کے نہیں
اور گوارا نہیں اُن کا بھی پشیماں ہونا

ایسے دل سے کوئی کس طرح بنا ہے یارب
جس کو بننا ہی مبارک ہو نہ ویراں ہونا

صورتِ نغمۂ و نکہت ہو کہ ہو صورتِ گُل
شرحِ بے ربطیٔ خاطر ہے پریشاں ہونا

بے خودی راز ہے تجدیدِ خودی کا یعنی
بہرِ جمعیت خاطر ہے پریشاں ہونا

حُسن اگر جلوۂ صد رنگ پہ موقوف نہیں
کیوں ہے یہ عارض و چشم و لب و دنداں ہونا

ہے عجب چیز جگر عشق کی مجبوری بھی
ہائے ناکردہ گناہوں پہ پشیماں ہونا

شاعری میرے لئے ایک عبادت ہے جگر
سیکھ لے مجھ سے کوئی صاحبِ ایماں ہونا

١٩٣٩ء

ابھی دیوانگی میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے
ابھی اے شدتِ غم زندگی محسوس ہوتی ہے

ابھی مجھ میں کوئی شے اور بھی محسوس ہوتی ہے
ابھی ادراکِ وحدت میں کمی محسوس ہوتی ہے

نہ جانے زخمِ دل کی آج گہرائی کہاں پہونچی
پھٹا جاتا ہے سینہ وہ خوشی محسوس ہوتی ہے

سمایا جاتا ہے جیسے کوئی رگ رگ میں دل بن کر
یوں ہی غم میں کوئی شے اور بھی محسوس ہوتی ہے

شب تاریک ہے، ویرانہ ہے، محویتِ غم ہے
عجب عالم میں قربت آپ کی محسوس ہوتی ہے

ازل سے موت نے اب تک کئی قالب بدلوائے
مگر جو چوٹ تھی دل میں وہی محسوس ہوتی ہے

جہاں وہ بیٹھ جائے گر کے منزل ہے وہی اسکی
جسے ہر گام پر واماندگی محسوس ہوتی ہے

جہاں دل ضبطِ غم سے خون ہو جاتا ہے سینہ میں
وہیں کچھ روح کو بالیدگی محسوس ہوتی ہے

وفورِ تلخ کامی سے یہ عقدہ کھل گیا آخر
جو ہوتی ہے تو غم میں زندگی محسوس ہوتی ہے

غزل سے اے جگر اندازہ کر میری حقیقت کا
غزل میں کیفیت کچھ روح کی محسوس ہوتی ہے

آہ ہم ہیں اور شکستہ پائیاں
اب کہاں وہ بادیہ پیمائیاں

بحرِ غم ہے اور دل خلوت پسند
بادہ ہی بادہ ہے اور گہرائیاں

فرق کیا ہے زندگی و موت میں
اُف محبت کی قیامت زائیاں

جوشِ طوفاں ہے نہ موجوں کا خروش
اب لئے ہیں گود میں گہرائیاں

کھیلتے تھے زندگی و موت سے
وہ شباب اور آہ وہ کجرائیاں

ہم ہیں، سناٹا ہے اور محویتیں
رات ہے اور روح کی گہرائیاں

دونوں عالم ڈوب کر گم ہو گئے
اللہ اللہ قلب کی گہرائیاں

سر سے اونچا ہو گیا پانی جگر
منتظر تھیں بحر کی گہرائیاں

رہینِ غم تو رہے، رازِ غم سمجھ نہ سکے
مآلِ کشمکشِ زیست ہم سمجھ نہ سکے

جیے تمہارے لئے، جان دی تمہارے لئے
ہمارے تم بھی ہوا افسوس ہم سمجھ نہ سکے

کبھی جنوں کا سہارا لیا، خرد کا کبھی
تمہاری کس میں رضا تھی یہ ہم سمجھ نہ سکے

نہ جینے میں ہمیں راحت ملی، نہ مرنے میں
حیات و مرگ کو جز نوعِ غم سمجھ نہ سکے

حیات نہ مرگ تھی، مرگ حیات کی تقریب
ستم رہا کہ تمہارا کرم سمجھ نہ سکے

جنوں جنوں تھا، خرد بھی تھی ایک نوعِ جنوں
بہارِ لالہ و گل کیا تھی، ہم سمجھ نہ سکے

گداگری کا بھرم بے نیازیوں سے رہا
مرے سوال کو اہلِ کرم سمجھ نہ سکے

ہمیں میں عشق، ہمیں میں تھا علم و عرفاں بھی
کہاں دوچار ہوئے تم سے ہم سمجھ نہ سکے

ظہورِ جلوہ بھی تھا اک حجابِ حسن جگر
کچھ اور اس کے سوا خود کو ہم سمجھ نہ سکے

جلووں میں حسن کے ہیں تقاضے نہاں کئی
ہیں ساتھ ساتھ عشق کے ارمانِ جاں کئی

آساں بہت ہے کہنے کو یوں بیدلی کی راہ
تھک تھک کے رہ گئے ہیں یہاں کارواں کئی

دیکھی ہیں ہم نے اُن کی تلوّن مزاجیاں
گزرے ہیں ہم پہ دورِ بہار و خزاں کئی

مانا بہت جنوں نے سُبک دوش کر دیا
سر ہے تو سر کے ساتھ ہیں بارِ گراں کئی

کیوں ڈوبتے نہیں ہیں ستارے شبِ فراق
باہم کئے ہیں ساز مگر آسماں کئی

زندانِ غم کے تھے جو کبھی بام و در سو ہیں
اب تک بدل چکے ہیں زمیں آسماں کئی

ہر چند بر سبیلِ شکایت نہیں مگر
شکوے ہیں آپ سے مجھے اے مہرباں کئی

سب کے سخن سے رنگِ سخن ہے مرا جدا
مانا کہ ملک میں ہیں مرے ہم زباں کئی

غفلت کبھی، ملال کبھی اور جنوں کبھی
اُن کے مرے حجاب رہے درمیاں کئی

کیا جانے رہروانِ محبت کدھر گئے
روشن مگر ہیں راہِ ابد میں نشاں کئی

دامن کو چاک چاک کیا بھی تو کیا کیا
لپٹی تو ہیں بدن سے ابھی دھجیاں کئی

اپنی کہ اب میں ان کی نظر پر نثار ہوں
دل میں اُتر گئے ہیں مرے گلستاں کئی

تیرے ہی سنگِ در پہ مٹا دردِ بندگی
سر رکھ کے ہم نے دیکھ لئے آستاں کئی

تسکینِ جاں ہو جس سے وہی مل سکا نہ آہ
ملنے کو دلنواز ملے مہرباں کئی

کیا زندگی سے ہو کوئی عہدہ برآ جگر
اک جانِ زار اور غمِ جاں ستاں کئی

سنہ ۱۹۴۰ء

ہم محوِ غم ہیں، اب وہ غمِ جاں ستاں سہی
سرچشمۂ حیات ہو، تم شادماں سہی

مقصود ایک لذتِ تدبیر تھی، سو ہے
تدبیر ناتمام سہی رائگاں سہی

اب کیا کریں کہ جان و دل اس کے ہی ہو چکے
نامہرباں اگر ہے وہ نامہرباں سہی

مجبور ہو کے کوئی جیا بھی تو کیا جیا
صیّاد یہ قفس نہ سہی، آشیاں سہی

مسرور ہیں کہ اور نہیں آرزو کوئی
ہر چند ہم سے دور ترا آستاں سہی

میری تو ایک بات بھی تم سے نہ بن سکی
کیا مجھ کو تم نے لاکھ بنائے جہاں سہی

کانٹا کسی کے دل سے جُدا کر تو بات ہے
بس میں ترے زمین سہی، آسماں سہی

کیوں پوچھتے ہو بانیٔ بیداد کون ہے
تم آسمان کہتے ہو تو آسماں سہی

شادابیٔ چمن کی بھی تدبیر فرض ہے
دو چار روز ہی کو کوئی میہماں سہی

مل تو گیا نصیب سے وہ آستاں مجھے
اب سجدۂ نیاز مرا رائگاں سہی

آنے نہ دیں گے بزم گہِ دوست پر زوال
گو لاکھ ہم ضعیف سہی، ناتواں سہی

رفتار فرض ہے تو قدم کیوں غلط پڑیں
ہر چند ہم اسیر زمان و مکاں سہی

دھونی رما کے اب تو یہیں بیٹھ جائیے
ویرانے کے بجائے جگرؔ گلستاں سہی

جو بجھ سکی نہ کسی سے وہ چاہ ہے تیری
اجل کی راہ سے دُشوار راہ ہے تیری

میں کیا کروں کہ کھنچے جا رہے ہیں پاؤں اُدھر
یہ جانتا ہوں کہ دُشوار راہ ہے تیری

کہاں کے جنّت و دوزخ، کہاں کے دیر و حرم
مجھے حیات سے مقصود راہ ہے تیری

ہزار لالۂ و گُل کے پڑے رہے پردے
رہی جو دل میں اُتر کر، نگاہ ہے تیری

نصیب سے مرے پہلو میں دل نکل آیا
وگرنہ دور بہت بارگاہ ہے تیری

ستم بھی اور جئے جانے کا تقاضا بھی
یہی تو ایک ادا بے پناہ ہے تیری

جہاں اجل کو بھی راحت کی نیند آتی ہے
وہ آستاں ہے ترا، وہ پناہ ہے تیری

قبول کر مجھے جیسا بنا دیا تو نے
خطا معاف، یہ ہستی گواہ ہے تیری

فریب اور کا میں کھا سکوں نہیں ممکن
جگر کی چوٹ ازل سے گواہ ہے تیری

اسی پہ ترکِ محبت کا زعم تھا اے دل
کہ اب تو اور بھی حالت تباہ ہے تیری

جو میرے پاؤں کو روکے ہے ڈگمگانے سے
وہ ایک سرزنشِ گاہ گاہ ہے تیری
جگر کا نام زباں پر تری نہ آئے گا
وہی ہے جس کو زمانہ میں چاہ ہے تیری

یوں بھی اک روز موت آئے گی
آپ کیوں رائگاں ستم ڈھائیں
اشک آنکھوں میں، لب پہ مُہرِ سکوت
کب تک اس طرح ہم جیے جائیں
تیری چوکھٹ کے چومنے والے
آسماں کو نظر میں کیا لائیں
جب تمہارے سوا نہیں کچھ اور
ہم تمہیں چھوڑ کر کہاں جائیں
آپ ہی نے لگائے ہیں یہ زخم
آپ ہی اندمال فرمائیں

اِن دنوں دل ہے کچھ پریشاں سا
کہیں اُلجھا ہوا ہے داماں سا
ہو چکا تار تار پیراہن
ابھی اُلجھا ہے کچھ گریباں سا
زندگی وہ تھی، یہ تو یاد نہیں
خواب دیکھا تھا اک پریشاں سا
زہر ہے گو غمِ محبّت زہر
کچھ تو ہے اس میں آبِ حیواں سا
نام جس نے لیا محبّت کا
عمر بھر وہ رہا پشیماں سا
بستے جاتے ہیں وہ نگاہوں میں
پھُولتا جاتا ہے گلستاں سا
دل کے پردوں میں ہے جھلک اس کی
ہو رہا ہے کہیں چراغاں سا
تھک کے منزل پہ سو گیا ہے جگر
مُنھ پہ ڈالے ہے کوئی داماں سا

آخر علاجِ دردِ دل و جاں نہ ہو سکا
ویرانۂ حیات گلستاں نہ ہو سکا

اب کے بھی آہ یوں ہی گیا موسمِ بہار
دامن کا چاک، چاکِ گریباں نہ ہو سکا

آتی رہیں بلائیں، لرزتی رہی حیات
جس دل میں تو رہا وہ ہراساں نہ ہو سکا

دشوار جب حیات ہوئی دم اُکھڑ گیا
اس سے زیادہ یہ سفر آساں نہ ہو سکا

حد آدمی کی مل کے خدائی سے رہ گئی
انساں سے بڑھ کے اور کچھ انساں نہ ہو سکا

ہو تو گیا تباہ جگر راہِ عشق میں
اپنے کیے پہ آپ پشیماں نہ ہو سکا

کٹا دیتے محبت میں قدم رکھنے سے سر پہلے
اگر انجام کی اپنے ہمیں ہوتی خبر پہلے

نہیں پیوست تھی رگ رگ میں نوکِ نیشتر پہلے
نہیں چبھتی تھی اس انداز سے تیری نظر پہلے

محبت کر کے اک آزار کیوں ہم مول لے لیتے
پلا دیتیں نہ گھونٹ امرت کے وہ آنکھیں اگر پہلے

نہ جانے زخمِ دل کو کس ادا سے تم نے چھیڑا آج
نہیں روتی تھی یوں آٹھ آٹھ آنسو چشمِ تر پہلے

بشر کا ذکر کیا ہے سنگ و آہن موم ہو جائیں
کوئی پیدا تو کر لے بات میں اپنی اثر پہلے

وہ منزل ہے کہ اب ہر ہر قدم پر سانس اکھڑتی ہے
بہت آساں نظر آتی تھی تیری رہگزر پہلے

کوئی مل جائے گا اے دل شریکِ درد تجھ کو بھی
کسی کے غم میں آنسو تو بہائے چشمِ تر پہلے

جگر اب بھی نہیں خالی ہے دنیا باکمالوں سے
کوئی پیدا تو کر لے دیکھنے والی نظر پہلے

سنہ ۱۹۴۱ء

جو رات اتنی بھیانک تھی، کیا سہانی ہے
بڑے مزے کی کہانی، تری کہانی ہے

مری زباں پہ یہ کس رنگ کی کہانی ہے
شباب و عشق سے معمور زندگانی ہے

یہ کس کے کوچے سے آ کر نسیم نے چھیڑا
مری رگوں میں نئے خون کی روانی ہے

ہیں میرے اُن کے بہم دل ہی دل میں راز و نیاز
بڑے مزے کی محبّت کی زندگانی ہے

اُسی کی عمر گزرتی ہے تیری قربت میں
جسے ہراس یہ رہتا ہے، موت آنی ہے

سُناؤں گا تمہیں رُودادِ زلیت، سوچ تو لوں
پُرانی بات ہے، بھُولی ہوئی کہانی ہے

جگر کا نام مٹائے سے مِٹ نہیں سکتا
وہ اُس جگہ ہے، جہاں عمر جاودانی ہے

۱۹۴۲ء

یہ کیسا ضبط ہے، سینہ میں انگارے سے جلتے ہیں
یہی آنسو ہیں کیا وہ اے جگر جو کم نکلتے ہیں

ازل سے دل ہے خوگر عشق کا، ہم کیا کریں ناصح
بگڑ جاتے ہیں جو بچپن میں بچّے، کم سنبھلتے ہیں

بہت آتی ہے، کم اس رنگ سے آتی ہے یاد اُن کی
نکلنے دے دلِ ناداں، اگر آنسو نکلتے ہیں

اگر مشکل ہے تیری راہ، تو مشکل سہی، کیا ہے
چلیں گے ہم بھی گرتے پڑتے، جب تک پاؤں چلتے ہیں

سخن میں آتی ہے تاثیر، تاثیرِ طبیعت سے
اُتر جاتے ہیں دل میں شعر، جو دل سے نکلتے ہیں

جگر پر اُنگلیاں اُٹھنے لگیں اب تیری محفل میں
وہ ہیں جو سرنگوں بیٹھے کفِ افسوس مَلتے ہیں

کہاں شورش ہوس کی اور کہاں آنسو محبّت کے
جگر ریگِ رواں میں بھی کہیں چشمے اُبلتے ہیں

سنہ ۱۹۴۳ء

کچھ فکر نہ کر، تدبیر نہ کر، تدبیر سے ہمدم کیا ہوگا
جو سانس لئے سے بڑھتا ہے، وہ درد بھلا کم کیا ہوگا

رونے ہی سے کچھ جیتا ہوں، اس شدّتِ غم کو کیا کہئے
جب آنسو بھی بہہ جائیں گے، اے دیدۂ پُر نم کیا ہوگا

دل خون ہوا، پھر خاک ہوا، جیتا ہوں، مگر کیا جیتا ہوں
کچھ تو ہی بتا قسمت کا لکھا، اب آگے شبِ غم کیا ہوگا

جس دل میں گھاؤ لگائے تھے، وہ موت کی نیند اب سوتا ہی
کیوں فکر ہے تم کو مرہم کی، اے میرے مکرّم کیا ہوگا

بیزار تھا جینے سے کوئی، دنیا سے اُسے جانا تھا، گیا
اب جَور سے باز آئے کوئی امدا لاکھ ہو ماتم کیا ہوگا

سینہ میں آگ دہکتی ہے لب پیاس سے سوکھے جاتے ہیں
جو قطرے چلو بھر بھی نہیں، اُن سے اے شبنم کیا ہوگا

سنہ ۱۹۴۵ء

ضبط ہو جاتی ہیں کیا جانئے آہیں کیونکر　　دل میں کُھل جاتی ہیں دیدار کی راہیں کیونکر

جان دینے کی اجازت، نہ جئے جانے کی — ہم کوئی رسم نباہیں تو نباہیں کیونکر
بجلیاں کوندتی ہیں جب تو ٹھہرتی ہیں کہیں — دل میں ٹھہرائے کوئی اُن کی نگاہیں کیونکر

بات آتا ہے، نہ آتا ہے خیالوں میں کبھی
اُس کی گردن میں جگر ڈالئے باہیں کیونکر

سنہ ۱۹۴۸ء

جس نے کبھی نہ راحت پائی ہو زندگی میں — کس دل سے سر جھکائے وہ تیری بندگی میں
ایسی بھی بعض گھڑیاں آتی ہیں زندگی میں — سو رہیئے زہر کھا کر آتا ہے بس یہ جی میں
جب شمع ہو گئی گُل، تاریک انجمن ہے — جب دل ہی بجھ گیا ہو، کیا لطف زندگی میں
تم ہی ہوئے نہ اپنے، ہوتے بھی کیا کہ سچ ہے — حسرت وہی ہے حسرت، رہ جائے جی کی جی میں
کچھ شور ہلکا ہلکا، کچھ نقش دُھندلے دُھندلے — دیکھا ہے ہم نے عالم، لیکن غنودگی میں
مطرب سُنائے جا تو، ساقی پلائے جا تو — لگتی ہے دیر کوئی محفل کی برہمی میں
مُنکر بھی ہم رہے ہیں، مُلحد بھی ہم رہے ہیں — شاید یہ منزلیں تھیں تکمیلِ زندگی میں
اپنے ہی خال و خد کو سمجھا کئے حقیقت — دیکھا ہے سب نے عالم آئینۂ خودی میں
انسان کے لئے اب روتی ہے روحِ دنیا — روتا ہے جیسے کوئی راتوں کی تیرگی میں
جی ہے سو ماندہ ماندہ، ہے جان سوز یوں ہے — شایانِ غم رہا کچھ اب جان میں، نہ جی میں
انجام تھا تو یہ تھا، انعام تھا تو یہ تھا — دل خون ہو کے ٹپکا آنکھوں سے عاشقی میں
سونا سا ہو گیا ہے عالم بغیر تیرے — یا ضعف آ گیا ہے آنکھوں کی روشنی میں
کہیئے اسے محبت، جب زہرِ غم اُتر جائے — شربت کا گھونٹ جیسے شدت کی تشنگی میں

ہاں ہاں فقیر ہیں ہم، اب تم کو کیا بتائیں
ہے دفن کتنی رفعت شرمِ گداگری میں

دَورِ دوم

غزلیات

۱۹۵۱ء

کبھی دوست چرخِ بریں نہیں، کبھی مہربان زمیں نہیں
جسے تو پناہ نہ دے سکے، پھر اُسے پناہ کہیں نہیں

ہمیں خلوتوں سے ہے کیوں لگن؟ ہمیں جلوتوں سے ہے کیوں جلن
ہمیں زینتیں ہیں عزیز کیوں، جو وہ دل میں پردہ نشیں نہیں

مجھے گر زمیں نے مٹا دیا، تو فلک نے تجھ کو بھی ڈھا دیا
چل اب اے دل ایسی جگہ چلیں! جہاں یہ فلک، یہ زمیں نہیں

فلک اُس پہ قہر بھی ڈھائے کیا، کوئی بجلیاں بھی گرائے کیا
اُسے موت سے بھی ہو کیا ضرر، جسے زندگی کا یقیں نہیں

جسے حُسن سمجھا ہے 'لاگ ہے'، جسے عشق کہتا ہے 'آگ ہے'
نہ تڑپ کسی کے فراق میں، دلِ بیقرار نہیں نہیں

جسے دل، جگر نہ عطا ہوا، گرے اُس پہ برقِ نگاہ کیا
وہ نہ رازِ عشق سمجھ سکا، جسے حُسن ہی کا یقیں نہیں

نہ خم و سبو ہوئے چور ابھی، نہ حجاب پیرِ مغاں اُٹھا
ابھی مست بادہ پرست ہیں، ابھی لطفِ بادہ کہاں اُٹھا

جو حضور چیں بہ جبیں ہوئے، کہا کس نے شورِ فغاں اُٹھا
رہے خیر برقِ نگاہ کی، کوئی دل جلا، نہ دھواں اُٹھا

یہ کہے زمانہ جواں ہے تو، قدم ایسا مردِ جواں اُٹھا
جو نہ بارِ عشق اُٹھا سکے، تو بلا سے، تیغ و سناں اُٹھا

پھر کہاں بہارِ جمال ہے، کہ جہاں خزاں، نہ زوال ہے
تری بزمِ ناز سے جو اُٹھا، نہ حسیں اُٹھا، وہ جواں اُٹھا

جو بڑھے تو جان پہ آ بنے، جو گھٹے تو جان پہ آ بنے
جسے دل نصیب سے مل گیا، عجب اُس کے دردِ نہاں اُٹھا

کسی رہگزر میں پڑے ہیں ہم عبث آسماں کی ہیں رنجشیں
کوئی لاکھ اُٹھائے اُٹھیں گے کیا، کہیں پاؤں کا بھی نشاں اُٹھا

ہے حجابِ حسن کا یہ اثر، کسی خود پرست کو کیا خبر
جو ازل سے سینہ میں جوش تھا وہی بن کے شورِ فغاں اُٹھا

کسی میکدہ میں رہا جگر کہ تھا محوِ خواب میں رات بھر
ہوئیں کیا بشارتیں صبحدم کہ اُٹھا تو زمزمہ خواں اُٹھا

جو ہوئے فرشتوں میں مشورے، کرے کون عشق کی راہ طے
کمر اپنی باندھ کے جو اُٹھا، تو جگر سا مردِ جواں اُٹھا

۱۹۵۲ء

شعلۂ حسن بھڑکنے لگا اب دل کے قریب
گرمئی شوق ہے، یا آ گئے منزل کے قریب

تھک کے رہ جائے نہ یارب کوئی منزل کے قریب
ڈوبے کشتی نہ کسی کی کبھی ساحل کے قریب

روشن آنکھیں ہوئی جاتی ہیں تو دل محوِ نشاط
لے ہی آئی ہمیں وحشت تری محفل کے قریب

دل کبھی ڈوبنے لگتا ہے، اُچھلتا ہے کبھی
دور ہوتا ہے کبھی وہ تو کبھی دل کے قریب

پھٹنے لگتا ہے عجب جوشِ طرب سے سینہ
مُسکراتا ہوا آتا ہے جو وہ دل کے قریب

نیند آنکھوں میں ہے یا کیفِ ہم آغوشی ہے
جیسے محبوب کا دل اب ہے مرے دل کے قریب

شوق نے بڑھ کے رگ و پے میں عجب حال کیا
پاؤں اُٹھتے نہیں آ کر تری محفل کے قریب

غم رہا غصّہ رہا اُس سے ہمیں ساری عمر
یہ نہ سمجھے کہ ہوا اور بھی وہ دل کے قریب

دل اُچھلتا ہے کہ ہوتا ہے جگر بیڑا پار
شاید آ پہنچا سفینہ مرا ساحل کے قریب

جتنی کثرت ہوئی رعنائی و زیبائی کی
پیاس بڑھتی ہی گئی چشمِ تماشائی کی

گرد ہے اس کی نظر میں چمنستاں کی بہار
جس نے دیکھی ہے ادا لالۂ صحرائی کی

جلوۂ حسن نے اک آگ لگا دی دل میں
آگ وہ آگ کہ جس نے چمن آرائی کی

جس نے ظلمت میں بھی گرنے نہ دیا پستی میں
وہ چمک روح میں تھی عظمتِ آبائی کی

داغ تھا دل میں جہاں اب ہے بہارِ گلِ ہجوم
ابھی نکلی کہاں حسرت ترے شیدائی کی

خود بھی ہنس دیتا ہے ہنستا ہی جو اس پر کوئی
کتنی بھولی ہے طبیعت ترے سودائی کی

اب وہاں صرف بہاروں سے پتہ چلتا ہے
دفن تھی خاک کہاں حُسن کے شیدائی کی

جل اُٹھا سینہ بھی تڑپی جو اُدھر برقِ جمال — اب یہ شعلہ ہے کہ ہستی کسی شیدائی کی
کچھ ازل ہی سے تھا کانٹوں کو کفِ پا سے لگاؤ — کیا یونہی ہم نے جگر بادیہ پیمائی کی
اُٹھتی جاتی ہے جگر حُسن کے چہرہ سے نقاب
لگ گئی جب سے لگن ہم کو خود آرائی کی

ہمیں کون آج گدگداتا ہے — کہ چلیں رقص دل میں آتا ہے
جلوۂ حُسن سے ہے دل بیتاب — بحر کوزے میں کب سماتا ہے
حُسن کا سامنا بھی حشر ہوا — کیوں دلِ زار جی چُراتا ہے
ہم کو صحرا میں کوئی چھوڑ گیا — ورنہ کون اپنے دن گنواتا ہے
حُسن نے دل کا اب یہ حال کیا — ایک شعلہ سا تھرتھراتا ہے
گردشِ چشمِ مست کے قرباں — جام پر جام آج آتا ہے
غم یہ ہے زندگی نہ دے گی ساتھ — کیوں یہ نشتر چبھوئے جاتا ہے
عمر اک انتظار میں گزری — آج آتا ہے، کل وہ آتا ہے
دل سے رکھتے ہیں دور اسے تو جگر
رُوح میں وہ سمائے جاتا ہے

آج برہم مزاج ہے دل کا — خیر ہو، سامنا ہے مشکل کا
مضمحل حال ہے بہت دل کا — جیسے ماندہ ہو کوئی منزل کا
ہوتے ہی ہم تو مر گئے ہوتے — رد ہوا ہے سوال سائل کا

وہی موجیں تھیں دامنِ ساحل — مِٹ گیا جب خیال ساحل کا
کون دیوانہ آج اسیر ہوا — ہر طرف شور ہے سلاسل کا
رونقِ بزم کے لئے جلنا — یہی مسلک ہے شمعِ محفل کا

بارہا آئی ہے بہار جگر
رنگ ہی آج اور ہے دل کا

کون سا یہ مقام ہے دل کا — ہر قدم پر گماں ہے منزل کا
کعبہ ہو، دَیر ہو کہ عرشِ بریں — سب سے اونچا مقام ہے دل کا
حُسن بھی ہے اُسی کا جلوہ طراز — عشق ہنگامہ زا ہے جس دل کا
دل ہی مخلوق، دل ہی خالق ہے — ہے یہ جو کچھ، ظہور ہے دل کا
بندگی میں مری خدائی ہے — ہوں گدا آستانۂ دل کا
وہ خدا سے بھی بے نیاز رہا — آستاں جس کو مل گیا دل کا

وحی سمجھو جگر کہ تم الہام
تذکرہ میرے لب پہ ہے دل کا

وہ نگہ دل میں میہمان آئی — اب مری زندگی میں جان آئی
ہات پہنچا وہیں گریباں پر — لب پہ جب تیری داستان آئی
کوئی آساں ہے بیدلی کی راہ — ہر قدم پر لبوں پہ جان آئی
نگہِ التفات کے صدقے — دلِ مُردہ میں آج جان آئی

باتوں باتوں میں تم بگڑ بیٹھے ایسی کیا بات درمیان آئی

دل بھی تھا اک حریفِ حُسن جگر

عاشقی میں جب آن بان آئی

۱۹۵۳ء

ہر سمت گلستاں دیکھ لیا، طغیانِ بہاراں دیکھ لیا

تصویر جو دل میں پنہاں تھی، آج اس کو نمایاں دیکھ لیا

دل کی سی کہاں ویرانی ہے، دل کی سی کہاں شادابی ہے

سو بار بیاباں دیکھ لیا، سو بار گلستاں دیکھ لیا

غم خانۂ دل کی تاریکی، کچھ گھٹ نہ سکی، کچھ مٹ نہ سکی

مہتاب کو تاباں دیکھ لیا، خورشید کو رخشاں دیکھ لیا

آنکھیں ہیں، حسن پرستی ہے، دل ہے، کیفیت و مستی ہے

عالم محبوب کی بستی ہے، پیدا اور پنہاں دیکھ لیا

کچھ ایسی بڑی تو بات نہ تھی، کیوں ہوش ہمارے اڑ نہ سکے

آنکھیں بھی لڑا کر ہم نے تو اے جلوۂ جاناں دیکھ لیا

پہلو سے نکلا جاتا ہے، ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے

کن آنکھوں سے دل کی آنکھ لڑی، کیا پردے میں پنہاں دیکھ لیا

حیرت ہے جگر کہ مسرت ہے، خاموش بھی ہو مدہوش بھی ہو

کیا دل کا جمال آئینہ ہوا، یا جلوۂ جاناں دیکھ لیا

کوئی بے وجہ جب دل کو ستائے — تمہیں کہہ دو تسلی کیوں کر آئے

ہنسے بھی، ہم نے آنسو بھی بہائے — ترے تیور سمجھ ہی میں نہ آئے

وہ غم ہو، شادمانی ہو، جنوں ہو — دل و جاں پر تمہیں رہتے ہو چھائے

جگر میں بن کے رہ جاتی ہے ناسور — وہ آہِ سرد جو لب تک نہ آئے

برستی ہے ہماری راہ میں آگ — چلے جاتے ہیں غم کے سائے سائے

پٹے جا اے دلِ مضطر پٹے جا — کہ پھر ایسی بہار آئے نہ آئے

ادائے حسن ہر سو مضطرب ہے — قرار آئے تو کیونکر دل کو آئے

شرابِ خم میں جوش آیا ہوا ہے
جگر بیٹھا ہوں طوفاں کو دبائے

عبث شبنم نے یہ آنسو بہائے — ہنسے گُل اور غنچے مُسکرائے

وہ ہنسنا ہے جو شبنم کو ہنسا دے — وہ رونا ہے جو پھولوں کو رُلائے

وہ آئے یا کھُلی آنکھیں ہماری — سحر ہوتی ہے، تارے جھلملائے

دو آئینے مقابل ہیں کہ اے ہوش — ہم اُن کے، وہ ہمارے دل میں آئے

جگر یہ بیخودی اچھی نہیں ہے
کہیں دامن نہ دل کا چھوٹ جائے

یونہی رنگِ نمو ہے زندگی میں — کہ جیسے پھول ہوتا ہے کلی میں

کھٹکتی ہو نہ کوئی پھانس جی میں — تو ہے راحت ہی راحت زندگی میں

جسے ہر لمحہ محوِ حسن رکھے　　اُسے کیا چاہیئے پھر زندگی میں
محبت نے مٹا ڈالا، مگر حیف　　محبت کیجئے پھر ہے یہ جی میں
ہجومِ ناز اُدھر ہے، دل اِدھر ہے　　بہار آئی ہوئی ہے زندگی میں
وہاں گہرا ہے کوئی زخمِ پنہاں　　جہاں آنسو نکل آئیں ہنسی میں
جگر ہم ترک تو کردیں محبت　　مگر رہ جائے گا کیا زندگی میں

جگر مر مر کے ہم جیتے رہے ہیں
حلاوت آئی ہے جب زندگی میں

کوئی سودا نہیں، جنوں نہیں　　پھر طبیعت کو کیوں سکون نہیں
دل میں ہے آگ ابھی قیامت کی　　غم نہیں، گر بدن میں خون نہیں
آپ کیوں التفات ابھی فرمائیں　　حالِ بیمار ابھی زبون نہیں

ہم نشیں ہم سے لوگ ہیں کمیاب
کچھ تعلی نہیں، یہ دُون نہیں

تم کو خفا ہی ہر دم پایا　　جینے میں کچھ لطف نہ آیا
تم نہ پسیجے، تم نہ پسیجے　　خون کیا دل، سر بھی کٹایا
مت پوچھو ہم پر کیا گزری　　ہر ہر سانس پہ جی بھر آیا
اک معصوم سے دل کا تم نے　　کر کے خون، کہو کیا پایا
سانسیں بھرتے عمر کٹی ہے　　جب کہیں ہم کو جینا آیا

پہلے محبت کی ہنس ہنس کے
اب کہتے ہو جگر بھر آیا

کس کو بادہ، کس کو نشا چاہیے — غم ملے جس سے کچھ ایسا چاہیے
دل ہو، سینہ ہو، جگر ہو، جان ہو — اُن نگاہوں کو نشانا چاہیے
زندگی ہے نام چند انفاس کا — اُن سے ملنے کو زمانا چاہیے
موت سے بدتر ہو جس کی زندگی — موت اس کی کیا ہو دیکھا چاہیے
مُنھ سے کہنا ہے بہت آساں جگر
عشق کرنے کو کلیجا چاہیے

دل میں تری نگاہ بڑا کام کر گئی — سُونی پڑی ہوئی تھی جو بستی سنور گئی
رونے سے ایک حُسن طبیعت میں آگیا — بادل برس گئے تو فضا بھی نکھر گئی
ہے یاس بھی ہمارے لئے ننگِ عاشقی — مدت ہوئی اُمید تو دل سے اُتر گئی
دیکھو تمہارے جور کے شایاں نہیں رہا — سمجھے ہو تم کہ آہ مری بے اثر گئی
آنے دیا پرستش دل میں کبھی نہ فرق — گو لاکھ بار ہم پہ قیامت گزر گئی
دنیائے عقل و ہوش بھی زیر و زبر تمام — چہرے پہ اُس کے زُلف جو آکر بکھر گئی
سایہ جنوں کا سر پہ جگر پڑ کے رہ گیا
رُت آئی تو بہار کی، آئی، گزر گئی

بھری ہیں ہم نے جب آہوں پہ آہیں — کھُلی ہیں دل سے دل ملنے کی راہیں
یہی رہتی ہے دل سے بحث و تکرار — کہ ہم چاہیں تو کیوں تم کو ہی چاہیں
چلی جاتی ہیں اب تک ڈوبتی ہی — ازل سے دل میں جو اُتریں نگاہیں
نہ جانے جان کیوں گھبرا رہی ہے — نہ جانے لب پہ کیوں آتی ہیں آہیں
بِلا جاتا ہے دامن سے گریباں — بہاروں کو کہ ہاتھوں کو سراہیں
غمِ دل لائے گی کیا زندگی تاب — گلے میں ڈال دیں گر اُس نے باہیں

زمین و آسماں بدلے ہوئے تھے
جگر پلٹی تھیں جب مل کر نگاہیں

اجل کو ہم اے دوست ٹالے ہوئے ہیں — ابھی تک تو دل کو سنبھالے ہوئے ہیں
جھلکتا رہے حُسن، چھپتے رہیں خود — عجب ایک پردہ وہ ڈالے ہوئے ہیں
چُبھے تھے جو دل میں نگاہوں کے نشتر — وہی جان میں جان ڈالے ہوئے ہیں
اب اُن کی نظر کچھ وہیں جم رہی ہے — جہاں دفن سینہ میں نالے ہوئے ہیں
جگر اُن کی یاد آ رہی ہے کچھ ایسے — گلے میں وہ باہوں کو ڈالے ہوئے ہیں

جگر اپنی باتوں پہ حیران کیوں ہو
وہ کم ہیں جو سب سے نرالے ہوئے ہیں

کچھ آنکھیں تر ہیں، دل میں درد سا ہے — فشارِ زندگی ہے جانے کیا ہے
بظاہر زخمِ دل اب بھر گیا ہے — مگر کچھ درد پہلے سے سوا ہے

نہ جانے کیوں ہیں پھر آنکھوں میں آنسو   جب آنسو سے بہت دل ڈر گیا ہے
محبت ہی میں گزرے گی ہماری   محبت ابتدا ہے، انتہا ہے
جگر ایسا نہ ہو آنچ اُن پہ آئے
برابر دل کا شعلہ بڑھ رہا ہے

غم سہتے سہتے مدت تک ایسی بھی حالت ہوتی ہے
آنسو آنکھوں میں ہوتے ہیں، رونے سے نفرت ہوتی ہے
جب رات کا سناٹا ہوتا ہے، دل میں خلوت ہوتی ہے
تم چاندنی جیسے چھڑکا دو، ایسی کیفیت ہوتی ہے
عالم پر جیسے چھائے ہوں، محبوب کی گود میں آئے ہوں
اب دل کی صحبت میں اکثر ایسی محویت ہوتی ہے
جب حسرت و ارماں مٹ جائیں، کچھ آس نہ ہو کچھ یاس نہ ہو
جب موت کی نیند آئے دل کو، بیدار محبت ہوتی ہے
جب رنج زمانہ دیتا ہے، ہم موت کو دعوت دیتے ہیں
پھر تم کیوں یاد آجاتے ہو، جینے کو طبیعت ہوتی ہے
معراج جنوں کے رستہ میں ایسا بھی مقام اک آتا ہے
ہم ہوش میں ہوتے ہیں لیکن اپنے سے بھی وحشت ہوتی ہے
بیداد کی بھی اس ظالم کو وہ پیاری ادائیں آتی ہیں
مر مر کے جئے جانے کو جگر افسوس طبیعت ہوتی ہے

رہِ دنیا، نہ یہ راہِ خدا ہے　　نہ جانے دل کدھر اب جا رہا ہے
نہ لڑ جائے نظر اے دل کہیں اور　　کوئی چھپ چھپ کے ہم کو دیکھتا ہے
جگر میں خار چبھتے جا رہے ہیں　　لبوں پر کیوں تبسم آ رہا ہے
بہت آزردہ ہم اُس سے رہے ہیں　　مگر دل ہے کہ صدقے ہو رہا ہے
جگرؔ اُس تک کہیں پہنچے نہ یہ بات
یہ چہرہ آج کیوں اُترا ہوا ہے

بگڑیں وہ ہم سے کہ ہم اُن سے، سب میں اک لذّت ہوتی ہے
جینے میں بڑا لطف آتا ہے، جب دل سے محبت ہوتی ہے
دوزخ کو یہی جنّت کر دے، جنّت کو یہی دوزخ کر دے
ہم تجھ کو بتائیں کیا ہمدم، کیا چیز محبّت ہوتی ہے
ہم مرتے ہیں یا جیتے ہیں، تم شاد رہو، آباد رہو
کیا تم سے کہیں کیا ہوتا ہے، جب ہجر کی ساعت ہوتی ہے
اب اس میں ہماری کیا ہے خطا، لاچار سے ہیں، مجبور سے ہیں
دل ہے تو محبّت کرتے ہیں، تم ہو تو محبّت ہوتی ہے
جب جوشِ مسرّت ہوتا ہے، ہم آپ سے کھوئے جاتے ہیں
ہستی میں بھرم آجاتا ہے، جب غم کی شدّت ہوتی ہے
ہم بادہ و جام کے پردے میں، کچھ رازِ جنوں کہہ جاتے ہیں
جب عشق کا نشہ چڑھتا ہے، مخمور طبیعت ہوتی ہے

پروردۂ ساحل کیا جانے، آسودۂ منزل کیا سمجھے
جو دور رہیں ساحل و منزل سے، اُن کی کیا حالت ہوتی ہے
میں حُسن کا ایک پجاری ہوں، ہے شاعری حُسن کی اک دیوی
جو فکرِ سخن کرتا ہوں جگرؔ، ہر رنگ عبادت ہوتی ہے

ہنس ہنس کے تیرِ نگہ سہنا، جس کو یہ قرینا آتا ہے
اس کو ہی مرنا آتا ہے، اُس کو ہی جینا آتا ہے
گلشن کے ذرّے ذرّے سے چھَن چھَن کے شراب ٹپکتی ہے
ساغر آنکھوں کو بنا لے جو، اس کو ہی پینا آتا ہے
جو حُسن ازل میں دیکھا تھا، تقدیر سے ہے آنکھوں میں ابھی
جو پھول چمن میں آتا ہے، بن کر آئینہ آتا ہے
ہو ہو کے لہو دل آنکھوں سے بہ جانے میں مدت لگتی ہے
اک عمر گزارے مر مر کے جب کوئی تو جینا آتا ہے
یہ راہِ محبّت ہے، کیا ہے یارب پہلی ہی منزل میں
ہر گام پہ سانس اُکھڑتی ہے، رہ رہ کے پسینا آتا ہے
ہم اور ستم سے گھبرائیں، ایسا تو حضور الزام نہ دیں
کیوں موت کو چاہے گا آخر وہ جس کو جینا آتا ہے
کچھ یاس کے مارے ڈوب گئے، کچھ آس سے شادی مرگ ہوئے
ساحل تک بحرِ محبّت میں کب کوئی سفینا آتا ہے

ہے تیرِ نگہ کی تاب کسے، ہم تو ہیں جگر کس گنتی میں
چھلنی ہو کر رہ جاتا ہے، جو سامنے سینا آتا ہے

دل اکیلا رہ کے اُجڑ گیا، ہمیں میہماں کی تلاش ہے
گُل و لالہ کی ہمیں ہے ہوس، ہمیں باغباں کی تلاش ہے
کوئی اور ہوں گے جو بھولے ہوں، ہمیں حسنِ ازل کا ہے یاد بھی
ہمیں ہے بہار کی آرزو، ہمیں گلستاں کی تلاش ہے
جسے دیکھئے وہ ہے فلک زدہ، یہ جہاں ہے یا کوئی غم کدہ
جو پلٹ دے گردشِ آسماں، ہمیں اُس جواں کی تلاش ہے
پر و بال پہلے دُرست کر، تو تپش بھی دل کی مدد کرے
تجھے عندلیبِ شکستہ پر، عبث آشیاں کی تلاش ہے
سرِ راہ چھوڑ کے چل دیا، نہ پھر اس طرف کبھی رُخ کیا
ہمیں غیر جس نے سمجھ لیا، اُسی کارواں کی تلاش ہے
نہ ہمیں خدا کی ہے جستجو، نہ ہمیں نجات کی آرزو
ہیں قتیلِ شیوۂ دلبری، ہمیں دلستاں کی تلاش ہے
وہ جو روحِ چنگ و رباب ہے، جو تمام حسن و شباب ہے
جسے ہم سے شرم و حجاب ہے، اُسی جانِ جاں کی تلاش ہے
ہے عجب جگر کا غمِ نہاں، ہے عجیب دُھن میں رواں دواں
کبھی دلستاں سے ہے بے غرض، کبھی دلستاں کی تلاش ہے

سمجھیں نہ آپ کوئی تمنّا نہیں مجھے
لیکن یہ راز دل سے بھی کہنا نہیں مجھے

اب میں ہوں اور سامنے اک نوبہارِ ناز
پھر آؤں ہوش میں یہ تمنّا نہیں مجھے

دل میں کئے ہے محو تری چٹکیوں کا لُطف
چھیڑے بہار، اب یہ گوارا نہیں مجھے

کیا عرضِ حال و عرضِ سوال ایک بات ہے
افسوس ہے حضور نے سمجھا نہیں مجھے

غم کی نہ داد دو تو کبھی مُسکرا ہی دو
اس کے سوا کچھ اور تمنّا نہیں مجھے

کیا خوب، میں اُڑاؤں کسی رہگزر میں خاک
وحشت نہیں، جنوں نہیں، سودا نہیں مجھے

دیں داریوں کو ترک کروں اور میں جگر
جیسے شعورِ رونقِ دنیا نہیں مجھے

۱۹۵۴ء

ہم نہ سنتے ہیں کچھ، نہ کہتے ہیں
کھوئے کھوئے سے پھرتے رہتے ہیں

جانتے ہیں، نہیں مآل اچھا
پھر بھی ہم ایک رَو میں بہتے ہیں

حال کیا ہے، مزاج کیسا ہے؟
پوچھتے کیا ہو خوش تو رہتے ہیں

نہ سُنے گا کوئی، نہ سمجھے گا
کیا کسی سے کہیں، جو سہتے ہیں

ہم سے اور شاعروں سے کیا نسبت
آپ بیتی ہے، ہم جو کہتے ہیں

چُپ ہیں تو کیا تمہاری باتوں کو
وہ جگر سب سمجھتے رہتے ہیں

جو دل کے خون سے پیدا بہار کرتے ہیں
جمالِ یار کے خاکے میں رنگ بھرتے ہیں

حیات کیا ہے، حضور آپ کی بلا جانے
یہ اُن سے پوچھئے، جیتے ہیں جو نہ مرتے ہیں

بشر کا یاس بھی دیتی نہیں زیادہ ساتھ　　بڑے سکوں سے مگر چند دن گزرتے ہیں
نہ آہ آتی ہے لب پر، نہ اشک آنکھوں میں　　کچھ ایسے صدمے بھی انسان پر گزرتے ہیں

جلاتے جاتے ہیں ہر ہر قدم پہ مشعلِ راہ
وہ اہلِ ہوش، جو طوفان سے گزرتے ہیں

نہ نیازِ بندگی ہوں، نہ غرورِ خواجگی ہوں
دل نذرِ دردِ دل سلامت، میں سرورِ سرمدی ہوں
کہیں محوِ زندگی ہوں، کہیں دل پڑا ہوا ہے
ہمہ تن شعور ہوں میں، ہمہ تن ربودگی ہوں
جو تمہارے دل میں پنہاں، تھی برنگِ خود نمائی
وہی برقِ مضطرب ہوں، وہی موجِ زندگی ہوں
یہ حجاب مجھ سے کیوں ہے، یہ عتاب مجھ پہ کیوں ہے
ترے دل میں جو کبھی تھی، وہی آرزو تری ہوں
تمہیں گُل تو ہم صفیرو مجھے یادِ گُل مبارک
میں قفس میں ہوں تو کیا ہے، ہمہ تن شگفتگی ہوں
غمِ عشق کے تصدق، مجھے کوئی نام دو تم
نہ میں رندِ بادہ کش ہوں، نہ جگر کوئی ولی ہوں

یہ دل ہے، شعلہ ہے، بجلی ہے، کیا ہے، کیا کہئے
تمام عمر تڑپتے ہوا ہے، کیا کہئے

کبھی تو جان بھی ہے بے قرار اس کے لئے
کبھی بہت ہی دل اس سے خفا ہے، کیا کہئے

نگاہِ ناز کا اب جانے کیا تقاضا ہے
جگر میں تیر ابھی پھر لگا ہے، کیا کہئے

تباہ ہو گئے اُمید ہی اُمید میں ہم
ترے کرم کا ابھی آسرا ہے، کیا کہئے

ابھی سے جان بھی دیدیں تو لطف کیا غمِ دوست
ابھی ابھی تو دل اُس سے لگا ہے، کیا کہئے

محل اُمید کے کتنے بلند ہوتے ہیں
مگر جو دیکھئے بنیاد کیا ہے، کیا کہئے

عزیز جان جسے دے کے ہم نے کھویا تھا
جگر میں درد وہی پھر اُٹھا ہے، کیا کہئے

دلِ حزیں میں تمنا جہاں تھی دفن جگر
وہیں سے آج دھواں پھر اُٹھا ہے، کیا کہئے

رہیں گے ہوش کہ جائیں گے اب خدا جانے
چھلک رہے ہیں مئے مشکبو کے پیمانے

کسی نے چہرہ پہ بکھرا لیا تھا زلفوں کو
ذرا سی بات تھی، بس لے اُڑے ہیں دیوانے

یہ پھول کھلتے ہیں گلزار میں کہ پردے سے
بڑھا کے ہاتھ کوئی دے رہا ہے پیمانے

کسی کے تیر لگے سینہ میں خدا نہ کرے
ہمارے دل میں ہے کیا درد کوئی کیا جانے

نہ دل رہا، نہ رہی دل میں خاک بھی باقی
حضور آئے ہیں اب التفات فرمانے

نہیں ہے سینہ میں پیوست جس کے تیرِ نگاہ
وہ راہ و رسمِ حیات و ممات کیا جانے

گھٹے تو چین نہیں ہی، بڑھے تو چین نہیں
ہمیں لگا ہے یہ کیا روگ، کوئی پہچانے

ہے دل میں آگ تو آنکھوں میں لالہ زار جگر
نگاہِ ناز کے انداز کوئی کیا جانے

بُرائی کیا ہے تم الزام دو بُرائی کا
بشر ہوں میں، مجھے دعویٰ نہیں خدائی کا

جسے یقین ہے، اس کے نصیب میں تم ہو
گناہ کیوں وہ کرے، قسمت آزمائی کا

رواں دواں ہوں، مجھے اپنی دھن میں ہوش کہاں
بہانہ لے کے جو بیٹھوں شکستہ پائی کا

اُسی کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں
نصیب عذر جسے ہو برہنہ پائی کا

کسے ہے علم نصیبوں میں میرے آپ نہیں
خیال چھوڑ دوں کیوں قسمت آزمائی کا

ذرا تم اب کہیں چھپ جاؤ پھر تڑپ لوں میں
کہ یاد آیا ہے مجھ کو مزا جُدائی کا

کسی کے عشق میں دیوانے ہم نہ گر ہوتے
تو راز کُھل نہیں سکتا تھا پارسائی کا

چمن ہو اور شبِ مہتاب و حلقۂ احباب
مزا جبھی ہے جگر کچھ غزل سرائی کا

خدا کو بھی نہیں دل مانتا ہے
محبت ہی محبت جانتا ہے

کہیں ہو لڑ ہی جاتی ہیں نگاہیں
وہ دل کو، دل اُسے پہچانتا ہے

دیارِ غم ہے فرعونوں کی بستی
کوئی کس کو یہاں گردانتا ہے

کہیں سے ڈھونڈھ کر لاؤ جگر کو
علاجِ دردِ دل وہ جانتا ہے

دل نہ دیوانہ ہو یہ اُس کو گوارا بھی نہیں
چاک دامان و گریباں ہوں یہ ایما بھی نہیں

بے نیاز آپ سے ہو جائیں یہ ہوتا بھی نہیں
دل میں جب دیکھتے ہیں کوئی تمنا بھی نہیں

پھر بھی دل ہے کہ اُسی پر ہوئے جاتا ہے نثار
آنکھ اُٹھا کر کبھی جس نے ہمیں دیکھا بھی نہیں

جانِ بیتاب سی رہتی ہے کہ ہو جائے نثار
آنکھ بھر کر ابھی ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں

زخم بڑھتا بھی نہیں، فیصلہ جس سے ہو جائے
تیر وہ دل میں لگا ہے کہ نکلتا بھی نہیں

بے حجابی بھی نہیں وہ کہ جو ہوش اُڑ جائیں
ہوش رہ جائیں ٹھکانے ہی وہ پردا بھی نہیں

ذرّے ذرّے پہ بہار آ گئی، دل میں بھی بہار
جذبۂ شوق ہمارا ابھی بھڑکا بھی نہیں

پاؤں رُکتے بھی نہیں، آپ بڑھے جاتے ہیں
ہم کو اس کوچہ کا سودا ہو تو سودا بھی نہیں

لُطف ہوتا تو یہی تھا کہ نہ ہوتے برباد
ہم جو برباد ہوئے تو کوئی شکوا بھی نہیں

شکوۂ جور تو کرتے ہیں، مگر سچ تو یہ ہے
لُطف ہم پر ہو جگرؔ، ہم نے یہ چاہا بھی نہیں

موت آئی کتنی بار نئی زندگی ہوئی
نکلی مگر نہ پھانس جگر میں چُبھی ہوئی

کچھ زہر کا سا نشہ ہے، کچھ تھرتھری سی ہے
رگ رگ میں آج ہے کوئی شے بیرتی ہوئی

آبِ حیات بھی کوئی چھڑکے اگر تو کیا
بجھتی نہیں ہے آگ جگر میں لگی ہوئی

آئی ہے سانس دوسری، نشتر لئے ہوئے
اک سانس میں ہمیں جو مسرت کبھی ہوئی

ہر روز ایک درد نیا دل میں ہے جگرؔ
ہر رات سوچتے ہیں کہ حد درد کی ہوئی

نکلے تھے ڈھونڈنے کسی رشکِ قمر کو ہم
ناگاہ پا گئے دلِ وحشت اثر کو ہم

اب کیا کریں وہ ڈھونڈتا آتا ہے اپنا مال
دل میں چُرائے بیٹھے ہیں جس کی نظر کو ہم

وہ بھی اُدھر ہی گھوم کے آتا ہے سامنے
جاتے ہیں اُس سے پھیر کے منہ اب جدھر کو ہم

موقوف اسی پہ اپنی حیات و ممات ہے — تقدیر جانتے ہیں تمہاری نظر کو ہم
اب کیا بتائیں تھی یہ کوئی اپنے بس کی بات — رو بیٹھ کے جو بیٹھ رہے بال و پر کو ہم
یہ شام کا سکوت، یہ کیفیتِ نیاز — جیسے کسی کے در پہ جھکائے ہوں سر کو ہم
گلشن میں ہے قیام، کبھی دشت میں قیام — پہچانتے نہیں ہیں ابھی اپنے گھر کو ہم
چلنا بھی ہے ضرور، ٹھہرنا بھی ہے ضرور — پھر کیوں نہ خوشگوار بنائیں سفر کو ہم

دیوار و در کے راز سے آگاہ ہے جگر
رہبر بنائیں گے اُسی شوریدہ سر کو ہم

جب دوش سے اُتار کے بیٹھے ہیں سر کو ہم — پھر کیا کریں گے ڈھونڈھ کے دیوار و در کو ہم
جنبش نہ دل میں ہو، نہ تڑپ روح میں کبھی — کہتے ہیں زندگی خلشِ نیشتر کو ہم
وا ہے درِ قبول سماں ہے یہ نور کا — اور دل میں ڈھونڈتے ہیں دعائے سحر کو ہم
آئے بشر خدا بھی اگر بن کے ہم نشیں — شاعر ہیں ہم کبھی نہ جُھکائیں گے سر کو ہم

سُونی پڑی ہے ایک زمانہ سے بزمِ شعر
آؤ کہیں سے ڈھونڈھ کے لائیں جگر کو ہم

جگر میں، جان میں، جی میں سما گیا کوئی — کہ جیسے اپنی ہی منزل میں آ گیا کوئی
تڑپ کے آ گیا دل میں جو مثلِ پروانہ — سراغ شمع کے جلنے کا پا گیا کوئی
نگاہِ شوق کا آخر تو اعتبار ہوا — بہار بن کے گلستاں پہ چھا گیا کوئی
تمام کیفِ نظر، دل تمام کیفیت — کہ جیسے ہم کو گلے سے لگا گیا کوئی

لگا ہے تیر جگر میں کہ کھل گئیں آنکھیں ۔ سحر ہوئی ہے کہ ہم کو جگا گیا کوئی
نہ سرد ہو گی کسی حال میں حرارتِ عشق ۔ شباب بن کے مرے دل میں آ گیا کوئی
چمن میں رہ کے چمن سے جو بند کیں آنکھیں ۔ تو جان و دل میں گلستاں کھلا گیا کوئی
بھڑک بھڑک کے کہیں جان کی طرف نہ بڑھو ۔ جو آگ دل میں لگی تھی دبا گیا کوئی
جلیں نہ ہم تو ہو کیا مشکل جیتے رہنے کی ۔ جب آگ بن کے جگر میں سما گیا کوئی
تمہیں لگاؤ کلیجے سے اپنے گلشن کو ۔ ہمیں تو راہِ بیاباں دکھا گیا کوئی

مرے سخن میں محبّت کا رنگ بھر بھر کے
طرح طرح کے جگر گُل کھلا گیا کوئی

زیست دشوار ہے، اس سے ہمیں انکار نہیں ۔ دل مگر ترکِ وفا کے لئے تیار نہیں
کوئی آنکھوں میں بسا ہے، یہ چمن زار نہیں ۔ پھول ہی پھول ہیں، نظرِ دل میں کوئی خار نہیں
کر چکے نذر تمہاری دل و ایمان و حیات ۔ کچھ اگر شک ہے تمہیں تو ہمیں اصرار نہیں
زندگی ایک اُسے تقریبِ نوا سنجی ہے ۔ جو غمِ دام و اسیری سے خبردار نہیں
صورتیں ماتم و غم کی نہیں دیکھی جاتیں ۔ یوں تو مرنے کے لئے ہم ابھی تیار نہیں
دور ابھی اے دلِ ناداں ہے جنوں کی معراج ۔ آج دامان و گریباں میں اگر تار نہیں
کچھ عجب حال طبیعت کا ہے غم سے کہ ہم آج ۔ جیتے رہنے کو بھی، مرنے کو بھی تیار نہیں
جی میں ہے دشت کو بھی دل میں اُٹھا کر رکھ لیں ۔ ہم فقط شیفتۂ جلوۂ گلزار نہیں
اُف رے حاصل مری معصوم تمنّاؤں کا ۔ بخشئے آپ میں راحت کا طلبگار نہیں
کون مانع ہے، کئے جائیے تکمیلِ جفا ۔ مجھ سا مجبور نہیں، آپ سا مختار نہیں

کوئی مٹھی میں لئے دل کو [illegible]تا ہے جگر
اب وہ پہلی سی پرانی خلشِ خار نہیں

سادھا تو بہت، جی سدھ نہ سکا، اب ہوش بہکتے جاتے ہیں
جانے کیا کرتے دھرتے ہیں، ہم کیا کیا بکتے جاتے ہیں
اب کے یہ کہاں سے نسیم آئی، کیفیت ہی کچھ اور ہوئی
سبزہ سا لہکتا ہے دل میں، غنچے سے چٹکتے جاتے ہیں
غم کی گہرائی سے ابھرے ہم، یا تیرا دامن چھو آئے
آنکھوں میں صبح سی کھلتی ہے، انوار جھلکتے جاتے ہیں

بیقراری صلاح کار نہیں
پھر بھی دل کو کوئی قرار نہیں
عشق کو ایک عمر چاہئے اور
عمر کا کوئی اعتبار نہیں
عشق چپ چاپ بھی تو ہوتا ہے
آہ و گریہ پہ کچھ مدار نہیں
موت مانگے بھی اب نہیں ملتی
سانس لینا بھی سازگار نہیں
غمِ ہستی کا ہے علاج جنوں
ہاں جنوں پر کچھ اختیار نہیں
لالۂ و گل کی قدر کیا جانیں
وہ جو پروردۂ بہار نہیں

آہ، زندانِ آب و گل سے جگر
کوئی بھی صورتِ فرار نہیں

دو گھڑی کی وحشت ہے اے گلو چھکنے دو
عندلیبِ شیدا کو کل جواں نہ پاؤ گے

مثلِ شعلہ تڑپے ہیں، خاک و خوں میں لوٹے ہیں
کارِ عشق میں ہم سا، رازداں نہ پاؤ گے

کس نظر سے دیکھا تھا تم نے دل پہ کیا گزری
راکھ کے سوا اب کچھ تم وہاں نہ پاؤ گے

دولت اور بصیرت کا ساتھ ہو نہیں سکتا
جس جگہ زمیں ہو گی، آسماں نہ پاؤ گے

دل تو گھر تمہارا ہے، اپنے گھر سے وحشت کیا
آؤ تو جگر کو تم درمیاں نہ پاؤ گے

۱۹۵۵ء

جو پردہ چہرہ پہ ڈالا بہار بن کے کھلا
جمالِ یار کا کوئی نقاب ہو نہ سکا

اُمید و یاس کی بھی کشمکش تمام ہوئی
دلِ فسردہ کا دُور اضطراب ہو نہ سکا

وہ دل ہی کیا جو محبت سے ہو نہ باغ و بہار
وہ کیا شباب جو رہنِ شراب ہو نہ سکا

اُلجھ کے ہات گریباں میں رہ گیا افسوس
جنوں ہوا تو مگر کامیاب ہو نہ سکا

زوالِ شام کہاں، دوپہر کی دھوپ کہاں
اسیرِ فطرتِ پیری شباب ہو نہ سکا

گیا جو دل تو زمیں آسماں تھے زیر و زبر
جہاں میں اس سے بڑا انقلاب ہو نہ سکا

تھا ایک گام حرم میں تو ایک دیر میں تھا
جگر تمہارا کوئی ہم رکاب ہو نہ سکا

ٹھہر گیا وہیں ذکر آ گیا جہاں تیرا
یہ سوچتا ہوں کہ ہے آستاں کہاں تیرا

نہ چھوڑ دل کو اکیلا ذرا کہ ڈرتا ہوں
بہار لوٹ نہ لے رنگِ گلستاں تیرا

اُچھلتا ڈوبتا ہوں، جیسے کوئی دریا میں
گزر گیا کہیں حد سے غمِ نہاں تیرا

یا نہیں کبھی نامحرموں میں تیرا نام — کیا نہیں کبھی اغیار میں بیاں تیرا
چمن چمن ہے مری انبساط کا عالم — دلِ شگفتہ ہے اور جلوۂ نہاں تیرا

کبھی نشاط، کبھی حزن ہے، جنوں ہے کبھی
بدلتا رہتا ہے پہلوِ غمِ نہاں تیرا

ندگی میں ہلچل ہے، ہوش اُڑتے جاتے ہیں — دل کسی پہ آیا ہے یا گیا نہیں معلوم
بال و پر شکستہ ہیں، جان خستہ ہے، پھر بھی — شعلہ سا بھڑکتا ہے دل میں کیا نہیں معلوم
خواں میں جان آئی، دل تڑپ کے جی اُٹھا — تھی نظر کسی کی یا سحر تھا نہیں معلوم
اغرِ مئے گلرنگ آہ لب تک آتے ہی — چشمِ تر میں کیوں آنسو آ گیا نہیں معلوم
ا دیئے ہیں وحشت میں دیکھئے کہاں پہنچیں — ابتدا تو کر دی ہے، انتہا نہیں معلوم
ین سے رہیں گے ہم کون اس کا ضامن ہے — عشق ترک تو کر دیں، پھر ہو کیا نہیں معلوم

کیا کرے جگر اُس کی کوئی آرزو پوری
خود جسے طبیعت کا مدعا نہیں معلوم

سنہ ۱۹۵۶ء

من میں ہوں تو مگر جان کو قرار نہیں — مری نگاہ میں کچھ اور ہے بہار نہیں
ر اسی دل کی لگی نے بدل دیا، ورنہ — یہ سانس، سانس ہے، شعلہ نہیں، شرار نہیں
نہیں چمن میں جو وہ مستِ ناز محوِ خرام — بہار ہے تو مگر جانِ نو بہار نہیں
بکتی رہتی ہیں کیا بجلیاں اُسی کے لئے — وہ آشیاں جو بجز ایک مشتِ خار نہیں

چمک رہی ہے کہیں اور آج برقِ نگاہ   قرار ہم کو نہیں، دل جو بے قرار نہیں

تمہارے لُطف سے ہو شاد ہی یہ کیا معلوم

جگر کو اپنی طبیعت کا اعتبار نہیں

شعرا کے انتخابی سلسلے کا

پہلا سیٹ

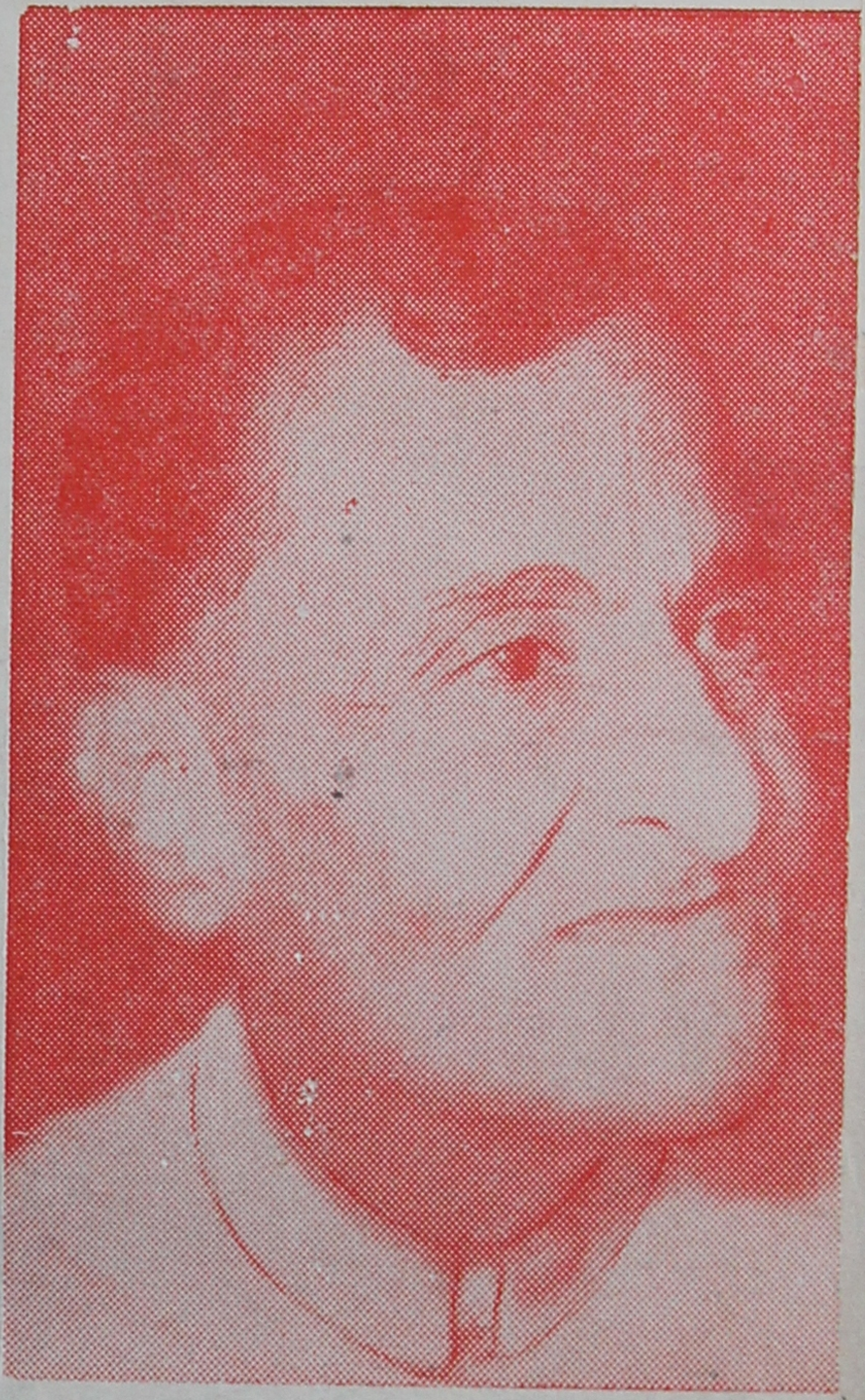
ختر شیرانی　فیض　مجاز　مخدوم

جذبی　احمد ندیم قاسمی　آزاد　کیفی

عرش　وجد　مجروح　اثر

ہر انتخاب کی قیمت بارہ آنے ہے

انجمن ترقّی اردو (ہند)، علی گڑھ



جگر بریلوی کا اصل نام شام موہن لال ہے۔
آپ یکم جنوری ۱۸۹۰ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔
شاعری انھیں ورثے میں ملی۔ والد رائے کنھیا لال
دلؔ فارسی اور انگریزی میں فاضلانہ استعداد
رکھتے تھے اور قدر بلگرامی تلمیذِ غالب کے شاگرد
تھے۔ نانا منشی گنگا پرشاد، اوجؔ تخلص کرتے
تھے اور آتش لکھنوی کے شاگرد تھے۔

اُردو، فارسی کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی
۱۹۱۶ء میں بی۔ اے کی سند انگریزی، فارسی اور
فلسفہ میں حاصل کی۔ ۱۹۱۸ء میں نائب تحصیلدار
ر ہوئے لیکن ۱۹۴۴ء میں مُلازمت سے قبل از وقت پنشن لینے پر مجبور ہو گئے۔ جون ۱۹۵۲ء سے
میں قیام ہے۔ ان کی تمام عمر شعر و ادب کی خدمت میں گزری ہے۔ اب تک پندرہ سولہ کتابیں
نثر کی لکھ چکے ہیں۔ نظم میں "پپیہا اور پی کہاں" "رنگ و بو" "کایستھ درپن" اور مثنوی پیام ساوتری
ہو چکی ہیں۔ مثنوی پر یو۔ پی سرکار نے پانسو روپے انعام عطا کیا ہے۔ نثر میں قدیم ہندو شاعروں کا
ہ "یادِ رفتگاں"، مختصر سوانح عمری "حدیثِ خودی"، اور زبان پر ایک رسالہ "صحتِ زبان" شائع
ے ہیں۔ ان کے علاوہ تین اور وقیع تصانیف "اُردو اور ہنود" "یادگارِ نظر" اور "بہارِ جاوداں"
عت کی منتظر ہیں۔

جگر بریلوی کی نظر فن پر گہری ہے۔ مشاعروں میں شریک نہیں ہوتے اور صرف وارداتِ قلبی سے
ثر ہو کر شعر کہتے ہیں۔ غزل میں ان کا منفرد رنگ ہے اور ملک کے ممتاز اساتذہ میں شمار
جاتے ہیں۔